# دیوانِ

## ریاض حسن خاں خیالؔ

معہ

## مقدمہ

مرتبہ: ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی

# دیوان ریاض حسن خاں خیال

مع مقدمہ

مرتبہ

ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی

ناشر

بزم سخن پوکھریرا ضلع سیتامڑھی (بہار)

اس کتاب کی اشاعت میں بہار اردو اکادمی کا مالی تعاون شامل ہے



# اطلاعات

نام: فاروق احمد صدیقی
تاریخ ولادت: ۳۱ر جولائی ۱۹۴۷ء
مقام پیدائش: پوکھریرا ضلع سیتامڑھی (بہار)
تعلیم: ایم اے (اردو) ایم اے (فارسی) پی-ایچ-ڈی (اردو) عالم بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ
ملازمت: ریڈر پی-جی-ڈیپارٹمنٹ آف اردو ایل-ایس کالج بہار یونیورسٹی مظفرپور
موجودہ مشاغل: درس و تدریس کے علاوہ شاعری و تنقید نگاری

اشاعت: ۱۹۸۵ء — تعداد: ایک ہزار
ضخامت: ۲۱۶ صفحات — قیمت: چالیس روپے
خوشنویس: قاری نہال احمد کریمی پٹنہ ۶ — مطبع: ملت آرٹ پریس شاہ گنج پٹنہ ۶

ملنے کے پتے

- ضیاء المصطفیٰ اولڈ فائر اسٹیشن چندوارہ مظفرپور (بہار)
- کتاب منزل سبزی باغ پٹنہ ۴ (بہار)
- بک امپوریم بیکی سرائے روڈ مظفرپور (بہار)
- سکریٹری بزم سخن پوکھریرا ضلع سیتا مڑھی (بہار)
- جنتا پبلیکیشنز مہدی حسن روڈ برہمپورہ، مظفرپور ۲ (بہار)

# انتسابُ

والدِ مرحوم اور والدہ محترمہ کے نام
جن کی بے لوث و بے پایاں شفقت و محبّت نے
مُجھے اِس لائق بنایا

# کتابیات


۱- آرکولاجیکل سروے آف انڈیا جلد اول - ۱ از مولوی عبدالحمید قریشی مطبوعہ سنہ ۱۹۳۱ء

۲- تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ ترجمہ مرزا عسکری

۳- خمخانۂ جاوید از لالہ سری رام

۴- بہار میں اردو زبان و ادب کا آغاز و ارتقاء از ڈاکٹر اختر اورینوی

۵- بہار اور اردو شاعری از معین الدین دردائی

۶- شعر الہند حصہ اول و دوم از مولانا عبدالسلام ندوی

۷- دلی کا دبستان شاعری از ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

۸- دو ادبی اسکول از علی جواد زیدی

۹- رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام

۱۰- مکاتیب شبلی مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی

۱۱- حیات شبلی مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی

۱۲- کلیات عزیز از عزیز لکھنوی

۱۳- کلیات داغ از مرزا داغ دہلوی


## رسائل


۱۴- ماہنامہ معارف اعظم گڈھ مجلدات سنہ ۱۹۳۱ء، سنہ ۱۹۳۱ء، سنہ ۱۹۴۳ء، سنہ ۱۹۵۳ء

۱۵- ماہنامہ نگار لکھنؤ داغ نمبر، شمارہ مارچ، اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

۱۶- ماہنامہ صنم بہار نمبر سنہ ۱۹۵۹ء — ۱۷- روزنامہ صدائے عام پٹنہ اشاعت ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۵۶ء

۱۸- دیوان خیال (اردو) } قلمی نسخے

۱۹- دیوان دانش (فارسی)

# پیشِ گفتار

ریاض حسن خان خیالؔ اپنی زندگی ہی میں اردو شعرائے
دادبار کی بزم میں ایک ممتاز جگہ پا چکے تھے۔ وہ اردو اور فارسی
کے ممتاز صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ شبلیؔ اور عزیزؔ لکھنوی جو اپنے
عہد کے باکمال فارسی داں تھے، خیالؔ کی فارسی دانی کے قائل
تھے۔ اور انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ امیرؔ مینائی
داغؔ دہلوی، حفیظؔ جونپوری، احسنؔ مارہروی وغیرہ سے ان کے
گہرے روابط تھے۔ شبلیؔ اور سلیمانؔ ندوی ان سے ملنے کے لیے
مظفرپور آئے۔ قاضی عبدالودودؔ اور عبدالمنانؔ بیدلؔ ان کی صلاحیتوں
کے مداح تھے۔ عطاؔ کاکوی اور دیگر شعراء نے خیالؔ کے انتقال
پُرزور تاریخیں لکھیں۔ لیکن باوجود ان ساری باتوں کے
گردشِ لیل و نہار نے انہیں گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا ہے
بیرونِ بہار کی بات تو دُور رہی، بہار کے اندر ہی نئی نسل
اُن کے نام سے ہی ناواقف نظر آتی ہے۔ حالانکہ راقم الحروف
کی رائے میں اس عہد کے بہار کی کوئی بھی ادبی و تہذیبی تاریخ
ان کے نام کے بغیر نامکمل ہی رہے گی۔ اس لئے مناسب
معلوم ہوا کہ ان کے حالات اور کارنامے کو تحقیقی روشنی میں
کسی قدر تفصیل سے لکھ دیا جائے تاکہ وہ پھر سے اردو دنیا

میں بخوبی متعارف ہو جائیں۔

میں اپنے مقالے کی تیاری میں مصروف تھا اور فراہمیٔ مواد، مطالعہ، بحث اور ترتیب کی منزل سے گذر ہی رہا تھا کہ حسنِ اتفاق سے ایک روز پروفیسر احمد حسن خاں مرحوم سابق صدر شعبۂ اردو آر، ڈی، ایس کالج مظفر پور سے ان کے دولت کدہ پر ملاقات ہوگئی مرحوم، ریاض حسن خاں خیالؔ کے برادر زادہ اور اس خاندان کی شرافت اور علم و فضل کے جیتے جاگتے نمونہ تھے۔ دوران گفتگو انہوں نے میرے مقالے کے متعلق دریافت فرمایا اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں انہوں نے فرمایا کہ "میرے پاس خیالؔ کا اردو دیوان اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ میں اسے خود ترتیب دینا چاہتا ہوں۔ آپ چاہیں تو اس کو اپنے مقالہ میں ترتیب دے کر شامل کر سکتے ہیں" — "خدا کی دین" کا مفہوم اس دن میری سمجھ میں پورے طور پر آگیا۔ اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ دیوان کو بھی مقالے میں شامل کر لوں گا۔ میں ان کے اس عظیم احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ یہ مقالہ استاذ گرامی پروفیسر شمیم احمد صدر شعبۂ اردو بھاگل پور یونی ورسٹی کی نگرانی و رہنمائی میں لکھا گیا ہے۔ فراہمیٔ مواد اور ترتیب و تنظیم کی حوصلہ شکن منزلوں میں آپ نے خضرِ راہ کا کام انجام دیا۔ محض رسمی طور پر اظہارِ امتنان و تشکر سے آپ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے

مجھے کہنے دیجئے کہ ؎

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

مسودہ کی تحریر و تیاری میں عزیزان گرامی محمد حسنین مرحوم چکیا، جناب نورالحسن لکچرار شعبۂ اردو چکیا کالج اور جناب سیف الاسلام صدیقی کا بے حد شکر گذار ہوں۔ محبِّ گرامی جناب ثوبان قادری صاحب اور عزیزان گرامی ظفر صادق، ریاض احمد اور صادق حسین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے پروف ریڈنگ اور طباعت کی ذمہ داریاں قبول کر کے مجھے بار بار پٹنہ کے سفر کی صعوبتوں سے بچا لیا۔

یہ مقالہ تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ لیکن بہار اردو اکادمی کے مالی تعاون کے شرائط کے پیشِ نظر اسے مختصر اور ملخص کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ بڑی ناانصافی اور ناسپاسی ہوگی اگر میں اکادمی کے اربابِ حل و عقد کا بھی شکریہ ادا نہیں کروں۔ خامیاں اور کوتاہیاں تلازمۂ بشریت ہیں۔ مجھے بڑی مسرت ہوگی اگر کسی اہلِ علم نے مجھے میری خامیوں سے مطلع کیا۔

فاروق احمد صدیقی
ہیڈ شعبۂ اردو
ایل۔ ایس کالج
مظفر پور

# حصّہ اوّل

# خاندانی حالات

ریاض حسن خاں نام اور خیالؔ تخلص تھا۔ رسول پور آپ کی جائے پیدائش تھی۔ موضع رسول پور ضلع مظفر پور کی ایک مشہور و ممتاز بستی ہے جہاں دیوان مولا بخش کا خاندان آباد ہے یہ خاندان صوبۂ بہار کے بہت ہی ممتاز و محترم خاندانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ہندوستان کے مشہور خدا رسیدہ بزرگ اور سلسلۂ شطاریہ کے مُرشد معروف حضرت قاضن شطاری رحمتہ اللہ علیہ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں اور شیخ قا کا سلسلۂ نسب امام محمد ملقب بہ تاجِ فقیہہ "فاتح منیر" تک پہنچتا ہے۔

امام محمد تاج فقیہہ کا شمار ہندستان کے اولین اسلامی مبلّغین میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے حلقۂ مُریدان میں "تاج فقیہہ" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ان کا اصل وطن بیتُ المقدس محلّہ قُدس خلیل تھا۔ وہاں سے ترک وطن کر کے ہندوستان تشریف لائے اور یہاں آکر آپ نے منیر کو ۵۷۶ھ میں فتح کیا۔ منیر پر مقامی ہندوؤں کا تسلّط تھا۔ اُن سے آپ نے اُس کو آزاد کرایا۔ منیر فتح کرنے کے بعد امام محمد تاج فقیہہ پھر مکّہ لوٹ گئے۔ ہندستان میں آپ نے اسلام کی تبلیغ

واشاعت کے لئے اپنے تین بیٹوں شیخ محمد اسرائیل، شیخ محمد اسمٰعیل اور شیخ عبدالعزیز کو چھوڑ دیا یہ حضرات ملک کے مختلف علاقوں میں پھیل کر اسلام کی اشاعت میں دل و جان سے لگ گئے۔

شیخ محمد اسرائیل کی اولاد میں حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین بن یحییٰ منیری جیسے جوہرِ قابل پیدا ہوئے قاضی یحییٰ اور حضرت شاہ دولت منیری انھیں کے مقدس اخلاف ہیں۔ شیخ محمد اسمٰعیل کی اولاد میں سب سے مشہور شیخ قاضن شطّاری ہوئے اور شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں سب سے مشہور حضرت سلیمان لنگر زمین ہوئے جنھوں نے ضلع گیا کی مشہور اور تاریخی بستی "کاکو" میں جاکر مستقل سکونت اختیار کرلی۔

عہدِ وسطیٰ میں تصوّف کے شطّاریہ سلسلہ نے کافی شہرت و عروج حاصل کیا اور اس سلسلہ کو حضرتِ شیخ بایزید بُسطامی علیہ الرحمہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کے مُریدان دوسرے روحانی سلاسِل کے مقابلے میں عبادت و ریاضت میں کافی مُشقّت طلب، سرگرم اور تیز ہوتے ہیں اسی نسبت سے اپنے آپ کو شطّاری کہتے ہیں شمالی ہند میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ شطّاری نے اس سلسلہ کی اشاعت کی اور مقبولِ عام بنایا۔ یہ اپنے مُرشِد کی ہدایت پر ایران سے ہندوستان پہنچے۔ یہ پانچ واسطوں سے حضرت

شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد اور سات واسطوں سے
حضرت بایزید بسطامی کے مُرید تھے۔ ہندوستان آنے کے
بعد بہت دنوں تک آپ نے مشرقی دیار و امصار کی مسافت
طے کی، مختلف افراد و اشخاص سے ملے۔ پھر جون پور تشریف
لے گئے۔ وہاں کا حاکم ابراہیم مشرقی تھا، اس نے شیخ کی
قدر و قیمت نہیں پہچانی اور نہ اُن کے سلسلہ کو پسند کیا۔
اس لئے آپ وہاں سے برگشتہ ہوکر مستقل طور پر مالوہ چلے
گئے۔ وہاں آپ نے کافی شہرت و شوکت حاصل کی۔ تھوڑی
ہی مدّت میں آپ کے مُریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد
بے شمار ہوگئی۔ لوگ آپ کے پاس جوق در جوق آنے لگے
لیکن آپ بیعت کرنے سے قبل مُریدوں کا بڑا سخت امتحان
لیا کرتے تھے۔ اگر وہ آپ کی کسوٹی پر پورا اُترتا تو داخل
سلسلہ کر لیتے ورنہ لوٹا دیتے۔ آپ خود شاہانہ لباس
زیب تن فرماتے اور آپ کے مُریدین و متوسلین فوجی وردی
میں ملبوس رہتے۔ کچھ لوگوں کو آپ کا ظاہری طور و طریقہ بڑا
گراں گذرتا لیکن اہلِ نظر پر بڑا خوشگوار اثر مرتب ہوتا۔ آپ
کی وفات ۱۵۷۲ء میں ہوئی۔ مزار مقدّس مالوہ کے سابق
دارالخلافہ قلعۂ مانڈو میں واقع[1] ہے۔

اس سلسلہ کے مشہور ترین بزرگ حضرت شیخ محمد غوث

---

[1] رود کوثر۔ از شیخ اکرام صفحہ ۳۴

گوالیاری ہوئے۔ آپ شیخ فرید الدین عطّار کی اولاد میں سے تھے پرورش و پرداخت شیخ ظہور حاجی حمید نے کی جو شیخ ابوالفتح ہدایتہ اللہ سرمست شطّاری کے خلیفہ تھے۔ حاجی صاحب کا مزار رتن سرائے ضلع چھپرہ میں واقع ہے۔ باطنی تعلیم و تربیّت بھی آپ نے حضرت ظہور حاجی حمید ہی سے حاصل کی۔ حاجی صاحب نے محض دو سال کی قلیل مُدّت میں شطّاریہ سلسلہ کے تمام اسرار و آداب سے آپ کو مزیّن کردیا اور اس کے بعد مُرشد ہی کے مشورہ پر آپ نے چنار کے جنگلات میں بڑی سخت ریاضتیں کرکے معراج کمال حاصل کیا۔

مغل بادشاہوں سے شیخ کے تعلقات بڑے خوشگوار رہے ہیں۔ مغلیہ سلطنت کا بانی شہنشاہ بابر آپ کا بڑا معتقد تھا۔ قلعہ گوالیار کو فتح کرنے میں جب اس کو مشکلات کا سامنا ہوا تو بالآخر آپ نے ہی اس کو ایسی حکمتِ عملی بتلائی جس پر عمل پیرا ہوکر وہ قلعہ فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ہمایوں سے بھی آپ کے تعلقات اُستوار رہے۔ وہ بھی آپ کا دلدادہ و معتقد تھا۔ لیکن جب شیر شاہ سوری سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے پر آپ کو پریشان کرنا شروع کیا۔ نتیجہ کے طور پر آپ نے گجرات کا رُخ کیا۔ بھڑوچ اور احمد آباد وغیرہ میں آپ کے کافی معتقد پیدا ہوگئے۔ علمار معاصرین میں چند کو آپ کے طریقے سے شدید اختلاف رہا ہے۔ آپ محفل سماع و سرود کے قایل تھے۔

آپ ایک صاحب تصنیف بزرگ بھی تھے۔ رسالہ معراجیہ، جواہر خمسہ، کلید مخازن، کنز الوحدہ ضمائر و بصائر اور بحر الحیواۃ آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ آپ نے ۱۵۶۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ گوالیار میں آپ کا عالی شان مزار موجود ہے۔

شیخ محمد فاضن شطاری جن کا تذکرہ پچھلے سطور میں آچکا ہے، حضرت امام محمد تاج فقیہہ کے خلف اوسط شیخ محمد اسمٰعیل کی ساتویں پشت میں ہوئے ہیں ان کو شیخ عبداللہ شطاری سے شرف بیعت حاصل تھا۔ ان کی ولادت منیر میں ۷ ذی الحجہ ۸۳۸ھ کو ہوئی اور وفات ۲۴ شوال ۹۰۱ھ کو ہوئی ان کا مزار مظفرپور سے گیارہ کوس کی دوری پر "بنیا بساڑھ" ضلع ویشالی میں موجود ہے جو اب تک زیارتگاہ خاص و عام ہے اور اب تو محکمۂ آثار قدیمہ نے اس کو اپنے تحفظ میں لے لیا ہے "بنیا بساڑھ" قدیم ویشالی جمہوریہ کی ایک بستی ہے۔ زمانۂ قدیم میں ہندوؤں، بودھوں اور جینیوں کا یہاں بہت بڑا مرکز تھا۔ آپ اپنے مرشد سے خلافت اور اذن بیعت حاصل کرنے کے بعد اس مقام کو مرکز قرار دیکر رشد و ہدایت کا کام کرتے رہے۔

شیخ کو بہت سارے لڑکے ہوئے۔ سب سے بڑے لڑکے کا نام شیخ اُدیس تھا۔ جن کو مقامی ہندوؤں نے بساڑھ میں ایک مسجد تعمیر کرنے کے جرم میں شہید کر دیا۔ اُن کے دوسرے لڑکے شیخ ابوالفتح حاجی پور کے قریب ساحلِ گنڈک

پرٹنگول میں مدفون ہیں۔ حضرت دیوان شاہ شیخ فاضل کے پوتا تھے۔ جن کا مزار آج بھی موضع جنداہا میں مرجع خلائق ہے۔ ہر سال چیت کی ۹ر تاریخ کو عرس لگتا ہے۔ جہاں ہزاروں عقیدت مند خراج عقیدت پیش کرنے کے لیئے حاضر ہوتے ہیں[1]۔

شیخ کے اخلاف میں ایک شیخ محمد عثمان عرف شیخ گدائی تھے انہوں نے بنیابساڑھ سے رسول پور فتح اپنے ملوک موضع میں آکر سکونت اختیار کرلی۔ ان کی نسل سے شیخ خدابخش ایک بزرگ ہوئے[2]۔ یہ بہت ہی خدا ترس اور فیاض طبع آدمی تھے۔ اُن کی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ ان کی حیات میں بستی بھر کا کھانا ان کی سرکار سے مِلا کرتا تھا۔ دونوں وقت جب تک اس کی تحقیق نہ ہو جاتی کہ سب لوگوں اور ہر مسافر تو وارد کو کھانا پہنچ گیا اس وقت تک وہ خود نہیں کھاتے تھے۔ رسولپور کی مسجد، تالاب اور آم کا باغ وغیرہ آپ ہی کی یادگار ہیں[3]۔ شیخ خدابخش کے نامور فرزند دیوان مولوی مولابخش خاں بہادر سی ایس آئی ہوئے۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے ابتدائی عہد میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ کچھ دنوں کے لئے صوبہ بنگال کے میر منشی بھی

---

[1] آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا صفحہ ۲۷ [2] معارف مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۸۰ [3] معارف ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۸۰۔

ہوئے اور پھر سر رشتہ داری کے منصب پر بھی پہنچے۔ ان
دنوں سر رشتہ دار کو دیوان کہا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اُن
کے نام کے ساتھ دیوان کا لفظ زبان زد ہو گیا ۱۸۵۷ء
میں انہوں نے ڈپٹی کلکٹر کی حیثیت سے حکومت وقت اور عوام
کی خدمات بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیں۔ بہتیرے بے گناہوں
کو بچایا۔ اعلیٰ حکام میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اور عوام میں
بھی بہت ہی ہر دل عزیز و با وقار تھے۔

جن دنوں دیوان صاحب کان پور میں سر رشتہ دار تھے،
امام بخش ناسخ نے ان سے ملاقات[1] کی تھی اور چند روز بہ حیثیت
مہمان[2] بھی اقامت پذیر ہوئے تھے۔ دیوان صاحب کے معاصرین
میں مولوی غلام علی شہید ایک بڑے پایہ کے عالم متقی اور نعت گو
شاعر تھے۔ دیوان صاحب سے ان کے دوستانہ مراسم[3] تھے یہاں تک
کہ جب دیوان صاحب مستقل طور پر پٹنہ لال کوٹھی میں قیام کرنے
لگے، ان ایام میں بھی شہید کی آمد و رفت جاری رہی اور
دیوان صاحب کی وفات کے بعد بھی ان کے پس ماندگان کی ملاقات
کو آیا کرتے تھے۔

دیوان صاحب ۱۲۸۰ھ میں سفر حج پر روانہ ہوئے وہاں
تین سال قیام کے بعد ۱۲۸۳ھ میں واپسی ہوئی اور اسی سال ریاست
گوالیار میں گونا کی چھاؤنی کے پاس سفر آخرت کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

---

[1] حیات شبلی صفحہ ۴۵۵ [2] معارف مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۸۰ [3] معارف مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۸۰

دیوان صاحب کے دو لڑکے ہوئے حاجی محمد امیر حسن خاں مرحوم اور محمد حسن خاں مرحوم۔ پھر حاجی امیر حسن خاں صاحب کے بھی دو بیٹے ہوئے مولوی حکیم ہادی حسن خاں نایاب اور مہدی حسن خاں شاداب۔

نایاب شروع سے ہی بڑے ذہین اور طباع تھے انہوں نے تھوڑے ہی دنوں میں تمام علوم متداولہ پر دسترس حاصل کرلی۔ اور اس کے علاوہ علم طب میں بھی مہارت تامہ پیدا کی۔ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس بھی تھے۔ نایاب نے شعر و سخن کا بھی مذاق اعلیٰ پایا تھا۔ بڑے ہی خوش فکر خوش کلام شاعر تھے۔ ابتدائے شاعری میں شیخ عبدالواحد سیماب (شاگرد وزیر علی) کو کلام دکھایا۔ پھر اسیر لکھنوی سے بھی کچھ روز تک سلسلہ تلمذ رہا اسیر کے انتقال کے بعد امیر مینائی سے بھی مشورۂ سخن کرنا چاہا تھا مگر عمر نے وفا نہ کی ۳۰ رجب ۱۳۰۲ھ میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

آپ نے اپنے پسماندگان میں تین فرزند چھوڑے۔ مولوی محمد اعجاز حسن خاں، محمد ریاض حسن خاں اور ابوالحسن خاں۔ ان تین فرزندوں کے علاوہ ایک دختر بھی چھوڑی جس سے دو بیٹے ہوئے مولوی حکیم سید محی الدین احمد ندوی اور سید شہاب الدین احمد۔

نایاب کے خلف اصغر ابوالحسن خاں نیساں جوانی ہی میں راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ ان کو صرف ایک اولاد ہوئی یعنی پروفیسر احمد حسن خاں مرحوم۔ موصوف اس خاندان میں باقیات الصالحات

کے آخری نمونہ تھے۔ تہذیب و شرافت اور اخلاص و مروت کی مجسم تصویر تھے۔ مستقل قیام مظفرپور پکی سرائے چوک پر واقع اپنی کوٹھی میں رہا۔ پورے شہر میں آپ کو احترام و قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا۔ آپ نے پٹنہ سیٹی سے ایم اے کیا اور شہر مظفرپور کی مشہور تعلیم گاہ رام دیالو سنگھ کالج میں مدت العمر پروفیسری کے عہدہ پر فائز رہے۔ شعبۂ اردو و فارسی کے صدر بھی ہوئے۔ ۱۶ جنوری ۱۹۷۰ء کو آپنے حالتِ سجدہ میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

مولوی اعجاز حسن خاں حکیم ہادی حسن خاں نایاب کے خلف اکبر تھے۔ ان کی ولادت ۲۷ر ربیع الآخر ۱۲۹۲ھ کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔ پھر فارسی و عربی کی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے ۶۶ سال کی عمر پائی۔ آخیر عمر میں اپنے برادرِ عزیز ریاض حسن خاں خیالؔ کی مسلسل علالت سے شدید متاثر ہوئے اور ان کے دل پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ غالباً اسی وجہ سے بعارضۂ قلب ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ کو بمقام اگزبیشن روڈ داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور احمدپور ضلع پٹنہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اُن کی موت پر خیال نے یہ قطعہ کہا ؎

جاں بحق بہ سپرد آخ قدسی صفات
باد روشن تربتش ز انوار قدس
گفت ہاتف مصرع سال رحیل
کرد او رحلت سوئے گلزار قدس

# ریاض حسن خاں خیالؔ

**ولادت :** مولوی محمد ریاض حسن خاں خیالؔ خلفِ اوسط مولوی ہادی حسن خاں نایابؔ کی ولادت ۱۲ رجب ۱۲۹۴ھ کو ہوئی[1]۔ پروفیسر عبدالمنان بیدلؔ نے بھی اپنے ایک مضمون میں خیالؔ کی تاریخ ولادت یہی لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ــــ

"وہ ۱۲ رجب ۱۲۹۴ھ کو اس دنیائے دنی میں آئے"

خیالؔ نے خود ایک قطعہ میں اپنی تاریخ و سن پیدائش یوں قلمبند کی ہے ؎

دو ہزار دو صد و چار نود ھجری سال
روز ثانی عشر از ماہ رجب پیشِ زوال
پیکر خاکیٔ من از عدم آمد بوجود
ہمچو نجمے کہ ز بیت الشرف آید بوبال

**تعلیم و تربیت :** خیالؔ کی عمر ابھی فقط چھ سال کی تھی کہ اُن کے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ دادا کی کفالت میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ بچپن ہی سے بہت ذہین و فطین تھے۔ آپکی

---

[1] مطبوعہ ماہنامہ صنم بہار نمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۶۶

ساری تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ مختلف اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ لیکن سب سے زیادہ آپ حکیم حافظ سید فرزند علی دہلوی سے مستفیض ہوئے۔ جو اپنے وقت کے بڑے بافیض استاذ تھے۔ فارسی اور عربی کی تمام کتب متداولہ پر حاوی ہو گئے۔ اور دونوں زبان و ادب میں اچھی مہارت حاصل کرلی۔ اس کے علاوہ انہوں نے انگریزی بھی سیکھ لی۔

**شعر و سخن سے دل چسپی:** خیالؔ کو شعر و سخن کا ذوقِ بلند فطری طور پر ودیعت ہوا تھا۔ مبداء فیاض نے موزونیٔ طبع کوٹ کوٹ کر آپ کے رگ و ریشے میں بھر دی تھی۔ غیر معمولی قوّتِ حافظہ کے مالک تھے۔ ابھی چھ ہی سال کی عمر تھی کہ ڈیڑھ ہزار اشعار اردو و فارسی اُن کو یاد ہو گئے تھے۔ اور اس وقت بھی اچھے شعروں سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ ــــ "اس عمر (چھ سال) میں بھی بعض اچھے شعروں سے متاثر ہوتا تھا"[1]۔

**پہلا شعر:** خیالؔ نے گیارہ برس کی عمر سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی پہلی غزل کا پہلا شعر[2] یہ ہے ؎

تیری اے حُور غضب ہیں آنکھیں
چشم بد دور غضب ہیں آنکھیں

پروفیسر عبدالمنان بیدلؔ مرحوم اس شعر کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں ــــ

---

[1-2] خمخانۂ جاوید حصہ سوم صفحہ ۹۰

"میں نے اسکول ہی کے پڑھنے کے زمانے میں اُن کا (خیالؔ کا)

ایک شعر سُنا تھا۔ ان کا پہلا شعر گیارہ برس کی عمر کا لکھا ہوا

تھا۔ شعر یہ ہے ؎

تیری اے نورِ غضب ہیں آنکھیں
چشمِ بد دور غضب ہیں آنکھیں [1]

**تلمّذ:** ابتدائی مشق میں آپ نے اپنے استاذ مولانا فرزند علی

بیتابؔ دہلوی کو اپنا کلام دکھلایا اور اصلاحیں لیں۔ بعد میں باضابطہ

طور پر اس وقت کے استاذ کامل نواب فصیح الملک حضرت داغؔ

دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ خیالؔ اپنے ایک شعر میں کہتے

ہیں ؎ جناب داغؔ کا فیضان ہے یہ شاعری اپنی
خیالؔ اس فن کو سیکھا ہے بڑے استاذ کامل سے

**سیرت و شخصیت:** خیالؔ کی شخصیت شرافت و نجابت

ایثار و قربانی اور مذہبیت و روحانیت کا حسین مجموعہ تھی۔ ان کی

علمی قابلیت اور عرفان و معرفت کی دھاک دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی

صاف طینت و صاف باطن تھے۔ ہر شخص ان کی طبیعت کی بے ریائی

اور اخلاق و شرافت کی پاکیزگی کا معترف تھا۔ اگلے نوابوں اور رئیسوں جیسی

رہن سہن تھی۔

**شعر خوانی و سخن فہمی:** خیالؔ چونکہ شعر و ادب کا مذاق اعلیٰ

رکھتے تھے۔ اس زمانہ کی تمام شعری و ادبی محفلوں میں شریک ہوتے

اور بسا اوقات شریک غالب رہتے۔ بہار کی تقریباً تمام اہم علمی

---

[1] مطبوعہ | ماہنامہ صنم بہار نمبر صفحہ ۹۶

و ادبی انجمنوں کی وہ روحِ رواں تھے۔ شعر پڑھنے کا انداز بہت ہی خوبصورت اور دلبرانہ تھا۔ دوسروں کے اشعار کی داد اس انداز سے دیتے کہ ان کی نکتہ سنجی اور سخن فہمی حاضرین کو اپنا اسیر بنالیتی۔ حافظہ چونکہ بہت زبردست تھا کسی شاعر کا شعر سنتے ہی فوراً مستند اور مشہور اساتذہ کا ہم معنی شعر پیش کردیتے۔ مگر اس امر کو ملحوظ رکھتے کہ اس سے کسی شاعر کی تنقیص نہ ہو۔ جہاں تک ممکن ہو تحسین ہی ہو۔

**حلقۂ احباب :** خیالؔ کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ بہار کے تمام اچھے شاعروں اور ادیبوں سے تو لگاؤ تھا ہی بیرون بہار بھی ملک کے مقتدر اصحاب علم و فضل سے آپ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ آپ کے حلقۂ احباب میں شبلیؔ نعمانی، حالیؔ، سرسید محسن الملک، شاد عظیم آبادی اور سید سلیمان ندوی وغیرہم کے نام آتے ہیں۔ اُن میں سے اکثر حضرات سے آپ کی خط و کتابت بھی تھی۔ خاص طور پر شبلیؔ سے تو آپ کو قلبی تعلق تھا۔

**شبلیؔ و خیالؔ :** شبلیؔ سے خیالؔ کو بڑی عقیدت و محبت تھی اور شبلیؔ بھی خیالؔ کی اہلیت و قابلیت کے معترف تھے دونوں کی ایک دوسرے سے صرف مراسلت ہی نہیں تھی۔ بلکہ ایک دوسرے کے گھر بھی جایا کرتے۔ خیالؔ کی دعوت پر شبلیؔ کئی بار مظفرپور اور پٹنہ تشریف لائے اس کی شہادت اُن خطوط سے ملتی ہے جو مکاتیب شبلیؔ حصہ دوم میں محفوظ ہیں دونوں بزرگوں میں مراسلت کا سلسلہ اگست ۱۸۹۹ء سے شروع ہو کر فروری ۱۹۱۴ء پر منتہی ہوتا ہے۔

**شبلی کا مظفرپور کا سفر :** جنوری ۱۹۰۷ء میں مولانا شبلی عازم ڈھاکہ ہوئے اس موقع پر مولوی اعجاز حسن خاں اور ریاض حسن خاں خیالؔ کے اصرار پر ڈھاکہ سے واپسی پر مولانا شبلی مظفرپور بھی تشریف لائے مولانا سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں۔

"....ڈھاکہ جاتے ہوئے دونوں صاحبوں کا اصرار تھا کہ مولانا مظفرپور تشریف لائیں یہ وعدہ ڈھاکہ سے واپسی میں پورا ہوا اس سفر کا حال مولانا نے الندوہ میں خود اپنے قلم سے لکھا ہے"۔

" مولوی ریاض حسن رئیس مظفرپور بہار کے قدیم مخلص عنایت فرما اور قومی ضرورتوں کے نبض شناس ہیں۔ جنوری ۱۹۰۷ء میں ڈھاکہ سے واپس ہوتے ہوئے ہم کو مظفرپور ٹھہرنے کا موقع ملا۔ مسٹر محبوب حسن صاحب بیرسٹر ایٹ لا جو مولوی ریاض حسن خاں صاحب کے چچا ہیں، ان کے دولت خانہ پر قیام ہوا۔ بیرسٹر صاحب باوجود تعلیم جدید اور سفر ولایت کے عقاید مذہبی اور شعائر اسلامی میں اس قدر سخت ہیں کہ اُن پر مُلّائے متعصب ہونے کا دھوکا ہوتا تھا۔ یہاں جن اور تعلیم یافتہ لوگوں سے ملاقات ہوئی سب اسی رنگ میں نظر آئے۔ چونکہ اس سفر میں مجھ کو ندوہ کی تقریب بھی پیش نظر تھی اس لئے مولوی ریاض حسن صاحب اور ان کے بھائی اعجاز حسن صاحب نے جلسہ کا اہتمام کیا کثرت سے لوگ شریک ہوئے میں نے اسلام کی حقیقت اور اس کے ضمن میں ندوہ کی ضرورت پر ایک مفصّل تقریر کی۔ تقریر کے بعد چندہ ہوا۔

اور پانچ سو سے زیادہ نقد جمع ہو گیا۔ مسٹر محبوب صاحب، مولوی ریاض حسن صاحب، نے سو سو کی رقمیں عنایت کیں۔ ایک وکیل نے کوئی تعیین نہیں کی لیکن ان کی عام قدیمی عادت کی بنا پر لوگوں نے قیاس، بلکہ یقین کیا کہ وہ بھی ایک معتد بہ رقم عنایت فرمائیں گے چندہ کی پوری تفصیل علاحدہ شائع ہو گی۔ یہ تمام رقم سرمایہ محفوظ کی مد میں جمع ہوئی[1]"

**شبلی کے ذریعہ خیالؔ کے حسن انشاپردازی کی تعریف:** مولانا شبلیؔ خیالؔ کے نہ صرف حسنِ اخلاق و شرافت کے قایل تھے بلکہ ان کی علمی صلاحیتوں کے بھی معترف و مداح تھے چنانچہ اپنے ایک خط میں مولانا شبلیؔ خیالؔ کے خطوط کی یوں تعریف کرتے ہیں۔

" مکرمی تسلیم آپ کا خط جب آتا ہے تو بخدا تھوڑی دیر رشک میں مبتلا رہتا ہوں کہ کاش یہ خط مجھ کو نصیب ہوتا[2]....

شبلی لکھنؤ ۱۱ر مارچ ۱۹۰۸ء

**خیالؔ قاضی عبدالودود کی نظر میں:** اردو کے بلند پایہ محقق جناب قاضی عبدالودود صاحب بھی خیالؔ کی علمیت اور ذہانت کے بے حد معترف تھے۔ قاضی صاحب جن دنوں دیوان جوشش ترتیب دے رہے تھے خیالؔ سے جوشش کے کرم خوردہ الفاظ کے متعلق اکثر تبادلۂ خیال ہوتا قاضی صاحب کا کہنا تھا کہ خیالؔ کی قدیم دواوین پر اچھی نظر تھی۔

---

[1] حیات شبلی صفحہ ۵۶ - ۴۵۵   [2] مکاتیب شبلی حصہ دوم صفحہ ۲۱۵

**خیالؔ کے علمی و ادبی خدمات :** خیالؔ ایک اچھے شاعر کے ساتھ ساتھ تو ایک اچھے نثر نگار بھی تھے۔ چنانچہ لالہ سری رام ایم اے رقمطراز ہیں۔

" علاوہ نظم کے موجودہ اُردو زبان کی روشنی کے موافق نثر بھی اچھی لکھتے ہیں"

چنانچہ انہوں نے فارسی کی ایک مشہور کتاب " نامۂ دانشورانِ ناصری" کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو انجمن ترقی اردو نے پسند کیا اور جس کی صحت زبان کی داد شبلیؔ نے بھی دی۔

**نامۂ دانشوراں کا ترجمہ :** اس کتاب کے ترجمہ کا کام بھی مولانا شبلیؔ نعمانی ہی نے اُن کے ذمہ کیا تھا۔ جیسا کہ مولانا سید ندوی صاحب رقمطراز ہیں ــــــ

" ۲۲ر جون ۱۹۰۳ء کو صوبہ بہار میں اردو کے لایق ادیب و شاعر مولوی ریاض حسن خاں صاحب خیالؔ کو لکھا کہ انجمن کے لیے ارکان اعانت بنائیں اور ساتھ ہی فارسی تذکرہ علمار کی ایک مشہور جدید کتاب نامۂ دانشوران کے لیے ان کا انتخاب کیا اور اس سلسلہ میں ان کو لکھا " آپ کا نام ارکان اعانت کی فہرست میں درج کیا گیا اور مستقل خریداروں کے رجسٹر میں بھی درج کیا گیا۔ آپ کے خط کے آنے سے پہلے دو جگہ سے اطلاع آئی۔ ایک اور صاحب نے نامۂ دانش وراں کا ترجمہ شروع کر دیا ہے۔ لیکن ابھی دفتر میں نمونہ نہیں آیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ نامۂ دانشوراں کے ترجمہ میں بعض بعض جگہ ابہام و تفصیل کے لیے اور کتابوں کی طرف بھی رجوع کرنا پڑے گا۔ غالباً آپ نے خود اس کا اندازہ کیا ہو گا۔ کتاب مذکورہ

---

لے خمخانۂ جاوید حصہ سوم صفحہ ۹۱

مدّت تک میرے استعمال میں رہی اس وقت پیش نظر نہیں۔ اس لئے صفحات کی تعداد محض تخمینی لکھ دی گئی۔ اس کتاب کی دوسری جلد بھی شائع ہوگئی ہے۔"[۱]

اس کے علاوہ رسالہ معارف میں بھی خیالؔ مختلف موضوعات پر مضامین لکھ کر بغرض اشاعت بھیجا کرتے تھے۔ نواب محمد اسحٰق خاں سکریٹری محمڈن کالج علی گڈھ جن دنوں کلیّات خسروؔ کی ترتیب دے رہے تھے، انہوں نے خیالؔ سے بھی ایک مضمون بھیجنے کی فرمائش کی چنانچہ انہوں نے حسب فرمائش ایک مضمون ارسال کردیا جس میں خسروؔ اور نظامیؔ گنجوی کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے اس سے ان کی بالیدہ تنقیدی شعور کا بھی پتہ چلتا ہے۔

**فارسی شاعری :** ریاض حسن خاں اردو نظم و نثر کے علاوہ فارسی نظم و نثر میں بھی اچھّی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جس طرح اردو شاعری میں انہوں نے اپنے عہد کے سب سے بڑے استادؔ اور ماہرِ فن مرزا داغ دہلوی سے استفادہ کیا تھا اسی طرح فارسی شاعری میں بھی انہوں نے اس دور کے ممتاز شاعر اور وحید عصر خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی سے اکتساب فیض کیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بود ز فیض عزیزؔ و نظیریؔ و حافظؔ
چنیں کہ شہرۂ دانشؔ ز قاف تا قاف است

نوٹ : ریاض حسن خاں فارسی میں دانشؔ تخلص کرتے تھے اور اردو میں خیالؔ

---

۱؎ حیات شبلی صفحہ ۴۰۶

عزیز سے تلمذ: کلیات عزیز کے مقدمہ نگار مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی رئیس اعظم بھیکم پور اعظم گڑھ نے جہاں عزیز لکھنوی کے ارشد تلامذہ کی فہرست مرتب کی ہے اس میں دانش صاحب کا شمار نمبر ۲ میں کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دانش محض عام شاگردوں کی صف میں نہیں تھے بلکہ اپنے استاد کے بیحد عزیز اور ہونہار و مخلص شاگردوں میں سے تھے۔ چنانچہ اس کی توثیق مزید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ عزیز لکھنوی کے مطبوعہ رقعات میں چار رقعات دانش صاحب کے نام بھی موجود ہیں جن سے بڑے گہرے مراسم اور قریبی تعلقات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر عزیز کا یہ خط ملاحظہ ہو۔

نامہ عزیز بنام دانش: "تسلیم دیروز ریاض نامہ و پریروز اعجاز نامہ از کلکتہ و اقبال نامہ از رسول پور بالبٹی مورخہ ۲ جون ہم جون رسید۔ سبدِ ہزار دانہ بجواز استاسیون آوردہ شد پختہ کاری کار پردازِ والا نازم کہ باین ہمہ گرما یک دانہ ہم رائگاں نگردید تا اینجا رسیدہ خامۂ خام کار درسپاس نگاری باین دو شعر اکتفا کرد ؎

ایں میوہ کہ جاودانہ آمد — سرمایۂ شیر خانہ آمد
یا از پے درد شکر نعمت — تسبیح ہزار دانہ آمد

حسب تحریر گرامی ایں نیاز نامہ معنون بہ پٹنہ شد توقع کہ از رسیدن مع الخیر و احوال عزیزی ابوالحسن خاں و استخارہ و چارۂ شستان اطلاع دہند و سلام من رسانند خدا کناد کہ

تبدیلیٔ آب و ہوا سببِ شفا شود۔

والسلام بالوفِ الاحترام[1]

**دیوانِ دانشؔ :** ریاض حسن خاں دانشؔ کا قلمی فارسی دیوان ان کے برادر زادہ پروفیسر احمد حسن خان صاحب مرحوم کے گھر میں موجود ہے۔ دیوان اگرچہ ضخیم نہیں۔ اس کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ دانشؔ کو غزلیات رباعیات اور قطعات اور تاریخی رباعیات سے زیادہ دل چسپی رہی ہے۔ ان کی غزلیں تعداد میں ۴۶ ہیں رباعیات ۱۰ ہیں اور قطعات و تاریخی رباعیات ۴۸ ہیں۔

ریاض حسن خاں دانشؔ کا ایک فارسی شاعر کی حیثیت سے مطالعہ ہمارا موضوع نہیں۔ اس لیئے ہم اُن کی فارسی غزلوں اور رباعیات پر کوئی رائے قائم نہیں کریں گے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دانشؔ ہندوستان کے فارسی گو شعرائے متاخرین میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ہرچند کہ ان کو اقبال و عزیز کے صف میں نہیں کھڑا کیا جا سکتا لیکن اُن کے بعد والی صف میں یقیناً وہ ممتاز حیثیت کے مالک ہوں گے اور شعرائے بہار میں تو ان کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔

**وفات :** خیالؔ نے اپنی زندگی کی ۷۸ بہاریں دیکھ کر مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۳ء مطابق ۲۷ شوال ۱۳۷۲ھ کو جمعہ کے دن صبح صادق کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم زندگی بھر مجرد رہے۔ انہوں نے شادی کی ہی نہیں بس نیک نامی

---

[1] جذبات عزیز، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء صفحہ ۴۹

اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

ان کی وفات پر ان کے عقیدت مندوں نے مراثی اور تاریخیں لکھیں۔ شاگردوں میں پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن عطاؔ کاکوی اور جناب مبارک عظیم آبادی نے بہت اچھے قطعات کہے۔ ذیل میں دونوں قطعات نقل کیے جاتے ہیں

قطعۂ تاریخ از عطاؔ کاکوی:

| | |
|---|---|
| آج دنیا سے چل بسے ہیہات | شاعر نکتہ داں جناب خیاؔل |
| یادگار سلف ریاض حسن | گل گلزار علم و فضل و کمال |
| صلح کل، بے ریا، متین و خلیق | دل میں رنجش کسی سے کچھ نہ ملال |
| رونقِ بزمِ علم و شعر و ادب | پیکرِ تمکنت خجستہ خصال |
| پاک دل پاک ذات پاک صفات | ان کا کردار آئینۂ تمثال |
| انجمن تھے خود اپنی ذات سے وہ | علم و فن میں تھا ان کو اوج کمال |
| کہنے کو تھے وہ داغؔ کے شاگرد | شاعری میں تھے آپ اپنی مثال |
| ہم نوا ان کے ہم زباں اُن کے | حالیؔ و شبلیؔ و امیرؔ و جلاؔل |
| ہند کے گوشہ گوشہ میں مشہور | مشرق و مغرب و جنوب و شمال |
| بست و ہفتم وفات کی تاریخ | سنہ بہتّر کا اور مہ شوّال |
| اور رحلت کے وقت آپکی عمر | تھی سنہ ہجری سے اُناسی سال |
| کیوں نہ ہو مغفرت عطاؔ اُن کی | جمعہ کے دن ہوا خدا سے وصال |
| اب کہاں ایسے وضع کے پابند | ہو گئے یہ خیاؔلی خواب و خیال |

۱۹۵۳ء

---

ل مطبوعہ معارف ستمبر ۱۹۵۳ء

## قطعۂ تاریخ از مبارک عظیم آبادی :

نہ پوچھو یہ کون اُٹھ گیا آہ آہ — وہ اِک جوہر فرد تھا آہ آہ

ریاض حسن خاں تخلص خیال — وہ مشہور و معروف صاحب کمال

سخن سنجیوں میں وہ سنجیدہ تھے — وہ شاگردوں میں داغؔ کے چیدہ تھے

خوش اخلاق و خوش خلق اور خوش مزاج — خدا داد تھا ان میں یہ امتزاج

مصفّا مجلّا تھا آئینہ دار — یہ دل سب کو بخشے وہ پروردگار

وہ دل شیوۂ خاص کا آئینہ — وہ مخلص دل اخلاص کا آئینہ

ملے جس سے یکساں ملے عمر بھر — مراسم برابر رہے عمر بھر

یہ ہر دوست کے باوفا دوست تھے — مبارک خدا بخشے کیا دوست تھے

کرآئے تھے حج بھی زیارات بھی — تھے پابند صوم و صلٰوۃ بھی

کیے تھے بہت نیک اعمال کل — خدا دے گا آج ان کو نعم البدل

وہ تاریخ ہے یہ رہے گی جو یاد — ریاض حسن خاں عالی نژاد

۶۱۹۵۳

---

# خیال کی شاعری

صوبۂ بہار ایک اہم مرکزِ اردو کی حیثیت سے تاریخ ادب اردو میں ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس کی دبستانی حیثیت میں کلام ہو سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے کسی بھی سنجیدہ و معقول شخص کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ بہار ہر دور میں اردو شعر و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دینے میں دہلی و لکھنؤ جیسے مراکزِ اردو کے دوش بدوش رہا ہے۔ چنانچہ ہندستان کے دوسرے علاقوں اور شہروں کی طرح بہار میں شعر و شاعری کی روایت زمانۂ قدیم سے ہی موجود ہے۔ دورِ میرؔ و مرزاؔ میں بہار نے راسخؔ و جوششؔ جیسے باکمال شاعر پیدا کئے تو عہدِ مومنؔ و غالبؔ میں صوفی منیری وصفیر بلگرامی جیسی نامور ہستیاں نمودار ہوئیں اور ان کے بعد شادؔ عظیم آبادی جیسی قدآور شخصیت بہار کی خاکِ پاک سے اٹھی جس نے داغؔ و امیرؔ کے دور میں ہوتے ہوئے بھی اردو غزل گوئی کے میدان میں اپنی عظمت و انفرادیت کا پرچم لہرایا اور اہلِ نظر کو اپنے کمال کے اعتراف پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے داغؔ و امیرؔ کے رنگِ سخن کے خلاف ایک ایسا پاکیزہ عارفانہ رنگ اختیار کیا جس کی مثال (بجز اقبالؔ) کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ ان سطور سے ہمارا

مقصد بہار کی ادبی خدمات کا جائزہ لینا نہیں ہے۔ بلکہ خیالؔ کی شاعری پر گفتگو کرنے سے پہلے محض پس منظر کے طور پر یہ چند سطریں معرضِ تحریر میں لائی گئی ہیں۔

خیالؔ بہار میں اردو غزل گوئی کی مسلسل اور باضابطہ تاریخ کی ایک اہم کڑی ہیں۔ خیالؔ کے زمانے میں داغؔ کی شہرت آسمان کو چھو رہی تھی۔ خیالؔ بھی صنم خانۂ داغؔ میں داخل ہو گئے اور انہیں کے رنگ و آہنگ میں غزل گوئی شروع کردی۔ چنانچہ داغؔ کے کلام کی اکثر بنیادی اور امتیازی خصوصیات اُن کی شاعری میں موجود ہیں۔ نشاط، شوخی، معاملہ بندی اور چھیڑ چھاڑ کا ایک بازار گرم ہے۔ حُسن کی نیرنگیاں بھی ہیں اور عشق کی سرمستیاں بھی، حسن و عشق کی کشاکش بھی ہے اور معشوق کی شوخی اور چُلبلا پن بھی، عشق کی شکست بھی ہے اور فتح بھی، عاشق کی بیچارگی بھی ہے اور معشوق کی نوازش بھی، گریۂ خونیں بھی ہے اور خندۂ گُل بھی، ہجر کی بے قراریوں کا شکوہ بھی ہے اور پیامِ وصل کی خوشی بھی، معشوق کی سرد مہری و بے نیازی کا گلہ بھی ہے اور اس کے الطاف و عنایات کا اعتراف بھی۔ مختصر یہ کہ ان کے کلام میں کیفیاتِ حسن و عشق کی بو ملتی ہے اور انھیں خصوصیات نے اُن کے کلام میں رنگینی، دلکشی اور شگفتگی پیدا کردی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ان خصوصیات سے اکثر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

آتے ہی چلے یہ کیا؟ آئے ہو پس مدت
کچھ حال کہا ہوتا کچھ حال سنا ہوتا

---

تو حسن میں یگانہ تو ہیں فرد عشق میں یاں
کوئی ترا جواب نہ کوئی مرا جواب

---

لکھا خط اب جواب آئے نہ آئے
جو آئے با صواب آئے نہ آئے

---

مرے گھر بھی اک دن چلے آئے
خراماں خراماں ٹہلتے ہوئے

---

ان حسینوں سے نہ نکلا کبھی کچھ کام اپنا
مفت رسوا ہوئے بدنام ہوا نام اپنا

---

درد کی جو کوئی دوا جانے
وہ کچھ عشق کا مزا جانے

---

زمانہ بھر تو کہتا ہے کہ سب سے دوستی اچھی
پسند ان کو لڑائی ہے تو خیر اچھا یہی اچھی

---

چوم لوں پھر منھ کلائی تھام کے
لطف اٹھاؤں اور کچھ دشنام کے

---

ان گوناگوں کیفیات عشق کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ یہاں جذبۂ پرستش و جذبۂ سپردگی بھی پایا جاتا ہے۔ وہ عشق میں نالہ و فریاد اور آہ و زاری کے قایل نہیں۔ دانۂ اسپند

کی طرح جل کر چیخ اُٹھنے کو کم ظرفی سمجھتے ہیں۔ ذیل کے چند اشعار سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہو گی۔

ہم تو نہ جائیں گے در جانانہ چھوڑ کر
جاتا ہے برہمن کہیں بتخانہ چھوڑ کر

---

لوٹ ہے دل گیسوئے دلدار پر　　جان صدقے چاند سے رخسار پر

---

دل سے جاتی نہیں تمہاری یاد　　رات دن ہے یہ پیاری پیاری یاد

---

کیوں مرے دل کے خریدار ہوں وہ کیا حاصل
میں وفادار ہوں ان کا ہے وفا کام اپنا

---

شرط کمال عشق ہے لب پر فغاں نہ ہو
خاموش یوں زباں رہے گویا زباں نہ ہو

---

کم ظرف تھا سپند کہ جلتے ہی چیخ اٹھا
رہتے ہیں محوِ لذّت سوز و گداز ہم

---

جو عاشق ہیں وہ شکر لذتِ بیداد کرتے ہیں
یہ تم نے سچ کہا اہلِ ہوس فریاد کرتے ہیں

غزل شروع ہی سے واردات قلب اور کیفیاتِ عشق کی ترجمان رہی ہے۔ لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ میں بھی وسعت بڑھتی گئی چنانچہ شعرائے متاخرین کے یہاں فلسفۂ حیات، اخلاق، تصوّف اور پند و نصائح وغیرہ پر ہی اشعار نہیں ملتے بلکہ ان کے عہد کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات کی بھی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔

خیالؔ نے ہر چند کہ فکر و تخیّل کی شاعری نہیں کی ہے لیکن ان کے یہاں چند ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جن میں اُن کے عہد کی ایک ہلکی سی جھلک ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ ان اشعار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ داغ اسکول کے دوسرے شاعروں کی طرح اُن کی آنکھیں بند نہیں تھیں بلکہ کبھی کبھار وہ عالمی سیاست پر بھی نگاہ ڈال لیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ان کی ایک غزل کے دو اشعار ملاحظہ ہوں جن میں پہلی عالمگیر جنگ (۱۹۱۴-۱۹ء) میں ترکوں اور عربوں کی باہمی آویزش پر کتنا موزوں تبصرہ کیا گیا ہے۔

جسے دلدار سمجھے تھے وہی دل کا عدو نکلا
شریفِ کعبہ کا دھوکا ہوا مجھ کو برہمن پر
کبھی تھا اتحاد ایسا کہ لاکھوں رشک کرتے تھے
تعجب ہے اب اک عالم کو میری اُن کی اَن بَن پر

---

خیالؔ کے یہاں چند اخلاقی اشعار بھی ملتے ہیں۔ خیالؔ کی طبعی

شرافت اور مزاج کی نرمی نے ان کے دل میں انسان دوستی اور محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ پھر یہ کہ سیر چشمی اور رواداری اُن کے خاندان کی روایت رہی ہے۔ علاوہ ازیں خیالؔ مولانا حالیؔ کے حلقۂ احباب میں سے تھے اس لیے وہ حالی کے اخلاقی شاعری کے نظریے سے ضرور متاثر ہوں گے انھیں سب اسباب و عوامل کے نتیجہ میں ان کے یہاں اس طرح کے اشعار اچھی مقدار میں موجود ہیں ؎

کردار ہوں جو اچھے دولت یہی بڑی ہے
بھولا ہوا ہے منعم کیا تو زادِ درم پر

---

غیرتِ حور ہو کہ رشکِ پری　　آدمی کیا جو خوش خصال نہیں

---

وہی انسان ہے یکساں رہے جو رنج و راحت میں
نہ اترائے مسرت میں نہ گھبرائے مصیبت میں

---

ہم اُس سے جھک کے ملتے ہیں جو ہم سے جھک کے ملتا ہے
کسی مذہب کا ہو کوئی غرض کیا اس کے مذہب سے

---

مل اچھوں سے ملتا ہے فیض　　صبا نکہت یا سمن ہو گئی

---

وحدت الوجود اردو کے تقریباً تمام قدیم شاعروں کا محبوب

موضوع رہا ہے۔ داغؔ جیسے خالص عشقیہ شاعر کے یہاں جب اس طرح کے اشعار مل جاتے ہیں تو اوروں کا پوچھنا کیا۔ خیالؔ نے بھی شعرائے متقدمین کے اتباع میں اس موضوع پر چند اچھے اشعار کہے ہیں ؎

کونین ایک جلوہ ہے اس کے وجود کا
کیا پوچھنا ہے حُسنِ ازل کی نمود کا

---

اِدھر پایا تِرا جلوہ اُدھر پایا تِرا جلوہ
جدھر دیکھا اٹھا کر آنکھ تو ہی تو نظر آیا

گل میں نکہت ہے تری ماہ میں طلعت ہے تری
جلوہ ہر چیز میں تیرا ہی نمایاں دیکھا

---

حرم میں یہ رہیں یا بتکدے میں یا کلیسا میں
تمہارے چاہنے والے تمہیں کو یاد کرتے ہیں

---

خیالؔ نے اپنی غزل میں صوفیوں کے اس خیال کی بھی ہمنوائی کی ہے کہ انسان مجبور ہے مختار نہیں۔ وہی ہوتا ہے جو ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔

مقدر میں جو ہوتا ہے وہ ہوگا     خیالؔ سود کیا، فکرِ زیاں کا

---

مختار ہو بشر تو خدا جانے کیا کرے
سو آفتیں تو کرتا ہے برپا یہ جبر میں

---

نیک و بد سب خدا کے ہاتھ میں ہے
آدمی کا کچھ اختیار ہے کیا؟

---

واعظ ناصح اور زاہد پر پھبتی کسنے کا جذبہ اردو شاعروں میں عام رہا ہے۔ ہر دور کے بڑے شاعروں کے یہاں اس قبیل کے اشعار وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ خیالی نے بھی واعظ کی دو رنگی چالوں اور اس کے قول و عمل کے تضاد کی خوب خبر لی ہے ؎

وہی خلوت میں خود بھی کاش کرتے حضرت واعظ
بھری مسجد میں منبر پر جو کچھ اِرشاد کرتے ہیں

---

وعظ سے واعظ ہدایت ہو نہ ہو
ہو گئی شہرت تو تیرے نام کی

---

شیخ کے حجرۂ مقدس میں خم، سبو، شیشہ جا کے دیکھ لیا

---

جاہل ہے جاہلوں سے کوئی بات کیا کرے
ناصح کا خامشی کے سوا ہے جواب کیا

ریاض خیر آبادی کی طرح خیالؔ کے بھی حالات زندگی سے
کہیں پتہ نہیں چلتا کہ دخترِ رز کبھی اُن کی مونس و ہمدم رہی
ہو۔ لیکن انھوں نے خمریات کے موضوع پر ریاضؔ ہی کی طرح
بڑے مستانہ اور پرجوش اشعار کہے ہیں مشتے نمونہ از خروارے
کے طور پر اُن کے چند رندانہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اوک ہی سے مجھے دو گھونٹ پلا دے ساقی
جام کی دیر ہے رہنے دے ارے جام اپنا

---

دل کو ساقی سے کبھی روز شکایت نہ ہوئی
شکر صد شکر چھلکتا ہی رہا جام اپنا

---

پھر جا رہے ہیں آج وہیں حضرت خیالؔ
کل توبہ کی تھی آئے تھے میخانہ چھوڑ کر

---

تکلف برطرف پیاسا ہوں ساقی
شراب آئے کباب آئے نہ آئے

---

غزل عشق و عاشقی کی صنف ہے۔ اس میں رقیب کا وجود
بھی ضروری ہے۔ غزل گو شعرا نے ہمیشہ رقیب کی مذمت
کی ہے اور اُسے ہدفِ ملامت بنایا ہے۔ خیالؔ اس میدان
میں کیسے پیچھے رہتے۔ انھوں نے بھی رقیبوں کی خوب خبر

لی ہے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں ؎

ہے بوالہوس رقیب اُسے امتیاز کیا
کیا جانے وہ نیاز ہے کیا اور ناز کیا

---

رقیبوں کی تعریف کیا کر رہے ہو
بُری شکل بھی ہے بُرے دل کی صورت

---

رقیب اس طرح گستاخی نہ کرتا
یہ اپنے مُنھ لگانے کی سزا ہے

---

واقعی ہے رقیب بے غیرت
کہتے ہو اس کو بے حیا سچ سچ

---

خیالؔ ایک غزل گو شاعر ہیں۔ یوں چند رباعیاں تاریخی قطعات اور ایک آدھ مرثیہ بھی اُن کے دیوان میں موجود ہے مگر وہ بنیادی طور پر غزل ہی کے شاعر ہیں اور داغؔ اسکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ اُستاد کی طرح خیالؔ کی شاعری میں بھی بڑی چہک مہک اور تازگی پائی جاتی ہے۔ داغؔ کے لب و لہجے میں جو شوخی، رنگینی اور نفاست موجود ہے، خیالؔ نے بھی بہت حد تک اس کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ خیالؔ کے لب و لہجہ میں اک خود سپردگی اور ربودگی کی کیفیت ہے۔

استاد کی طرح خیالؔ نے بھی زبان دانی میں بڑی مہارت حاصل کی۔ محاورات اور روزمرہ کا استعمال ان کی غزلوں میں بڑی کامیابی سے ہوا ہے۔ تیور اور لب ولہجہ کی تیزی اور شوخی ہر جگہ موجود ہے۔ خیالؔ کو خود بھی اپنی زبان کی نفاست وصفائی کا احساس تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

خیالؔ استاد کا یہ فیض ہے اللہ انہیں بخشے
یہ دلّی کی زباں سے ملتی جلتی ہے زباں میری

---

خیالؔ اپنی زباں جو اتنی ہے صاف
ملا یہ فیض داغِ دھلوی سے

---

جذبات کی شدّت وحدّت اور فکر و خیال کی بلندی کے اعتبار سے گو خیالؔ کی شاعری بے مایا ہے لیکن زبان کی صفائی اور بیان کی سلاست کے اعتبار سے بڑی کامیاب ہے۔ اور یہ کوئی ایک آدھ غزل کا رنگ نہیں بلکہ مجموعی طور پر ان کی تمام غزلوں کا یہی رنگ و آہنگ ہے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری توانائی اور طباعی زبان کو نکھارنے اور سنوارنے پر صرف کی ہے اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیونکہ بقول اُن کے ؎

خیالؔ اشعار کی خوبی یہی ہے
زباں ستھری ہو انداز بیاں صاف

لطف زباں کا اندازہ لگانے کے لیے یہاں پر اُن کے
چند اشعار کا نقل کرنا بے محل نہیں ہوگا ؎

نہ مٹتے وہ مَنا کے دیکھ لیا
نہ ہنسے گُدگُدا کے دیکھ لیا

---

ہاں بجا ہے سچ ہے آپ آئے ملے
یہ تو کہیے دل بھی کیا دل سے مِلا

---

وصل کی شب یوں وہ دم دیتے رہے
ایسی جلدی کیا ہے اپنی رات ہے

---

الٰہی وہ بھی کیا دن تھے کہ دونوں آتے جاتے تھے
کبھی تم میہماں ہوکر کبھی ہم میہماں ہوکر

---

پھر نہیں آتی اگر جاتی رہی آبرو ہے آبِ گوہر کی طرح

---

ہوا ہے خواب میں آنے کا وعدہ
یہ قسمت اب کہ خواب آئے نہ آئے

---

اپنی تصویر دیکھ کر بولے حُسن میں بیمثال ہے یہی بس

---

دکھا کر اس گریباں کو پکڑ کر اس کے دامن کو
کبھی روداد کہتے ہیں کبھی فریاد کرتے ہیں

---

اک نظر دیکھ لو عنایت سے
اور مرا کوئی سوال نہیں؟

---

مندرجہ بالا اشعار کے پیش نظر حضرت خیالؔ کا یہ دعوٰی غلط نہیں کہ ؂

اللہ رے خیالؔ آپ کے شعروں کی حلاوت
یہ لطف یہ لذّت یہ مزا اور ہی کچھ ہے

---

یقیناً خیالؔ کے شعروں میں بڑی لطافت و حلاوت ہے اور ان کے طرز بیان میں بڑی دلکشی و شگفتگی ہے۔ بحروں کے انتخاب میں بھی اُن کے یہاں تنوع ملتا ہے۔ بحریں جو انہوں نے استعمال کی ہیں اُن میں سے اکثر و بیشتر مترنم ہیں۔ ترنم و نغمگی پیدا کرنے میں ان کے انتخابِ الفاظ کو بھی بڑا دخل ہے۔

خیالؔ کے کلام میں چند اشعار ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کا مضمون دوسرے شعرا کے اشعار سے ملتا جلتا ہے اور جس کو اصطلاح میں توارد کہتے ہیں خیالؔ کے سلسلہ حالات میں اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ اُن کا مطالعہ بہت وسیع

تھا۔ اساتذہ کا کلام یقیناً اُن کے پیش نظر رہتا ہوگا۔ اس کے علاوہ انسانی خیالات میں نیرنگی کے باوجود یکرنگی ہوتی ہے اسی لیے مضامین میں توارد ہوجاتا عین فطرت ہے۔ اسی لئے ابو طالب کلیم کو کہنا پڑا تھا کہ ؎

ولے علاج توارد نمی توانم کرد    مگر زبان بہ سخن گفتن آشنا نکنم

---

اس توارد کی چند مثالیں خیالؔ کی غزلوں سے ملاحظہ ہوں ؎

الف بے پڑھ رہا تھا عشق کے نکتے وہ کیا جانے
اُسے کیا مجھ سے نسبت قیس اک طفل دبستاں تھا

______ خیالؔ

فنا تعلیم درس بیخودی ہوں اس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

______ غالبؔ

لیا سر پر ہمیں نے عشق کا بوجھ    اٹھاتا کوئی یہ بارِ گراں کیا

______ خیالؔ

جس پہ سب بوجھ نے گرانی کی    اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

______ میر تقی میر

چڑھی ہیں آستیں، ہاتھ میں خنجر چمکتا ہے
غضب کا بانکپن چھایا ہوا ہے آج قاتل پر

______ خیالؔ

بھنویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

______ داغؔ

ہو کوئی بھی موسم، مگر اشکوں کی جھڑی ہے

رہتا ہے میرے گھر بھری برسات کا انداز

——— خیالؔ

گریۂ صبح کہ ساون کی جھڑی تا دم صبح

کوئی موسم ہو یہاں رہتی برسات کی رات

——— آسی غازی پوری

دشنام بھی اس کے منھ کی پیاری

ہر بات ہے خوب خوبرو کی

——— خیالؔ

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب

گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

——— غالبؔ

خیر ہے کچھ اس میں جو چپ ہوں

منھ نہ کھلوائیے خدا کے لئے

——— خیالؔ

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں

ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

——— غالبؔ

دیدار کے بھوکے ہیں دعا دیتے ہیں کب سے

تیرا بھی بھلا ہو گا فقیروں کا بھلا کر

——— خیالؔ

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا

اور درویش کی صدا کیا ہے

——— غالبؔ

شہر میں ہوں کیا کمی معشوق کی

خوبرو ہیں سینکڑوں بازار میں

——— خیالؔ

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے

لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

——— غالبؔ

سطور بالا میں خیالؔ کی شاعری کی محض چند اہم اور نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی اُن کے کلام میں بے شمار ادبی و فنّی محاسن ہیں جنہیں بخوف طوالت نظر انداز کر دیا گیا ہے اُن کی شاعری کے بارے میں مجموعی رائے یہ قائم کی جا سکتی ہے کہ وہ زندگی اور زندہ دلی سے عبارت ہے۔ غم و اندوہ کے مضامین جنہیں قدیم شعراء اردو شاعری کی جاگیر سمجھتے تھے خیالؔ نے اُن کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہ دیا۔ ان کے خیال میں ہر وقت رونا اور مُنھ بسورنا کوئی صحت مند جذبہ نہیں۔ انسان ایک ہنسنے والا جانور بھی کہا گیا ہے۔ اس لیئے غم غلط کرنے کے لیئے تفریح و نشاط کا سامان ہونا ہی چاہیئے اور یہ خیالؔ کے یہاں وافر مقدار میں موجود ہیں ہے۔ ساتھ ہی زبان و بیان کے اعتبار سے ان کے یہاں اتنی حلاوت و نفاست ہے کہ کبھی کبھی اس پر کلامِ داغؔ ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ یعنی وہی روزمرّہ کی صفائی، برجستگی اور محاورے کا استعمال جو داغؔ کی شاعری کا طرّۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے، خیالؔ کے یہاں بھی موجود ہے۔ میری رائے میں خیالؔ اردو کے صف اوّل کے شاعروں کی صف میں تو بہرحال نہیں رکھے جا سکتے لیکن صفِ دوم میں اُن کی امتیازی جگہ محفوظ ہے اور بہار کے تلامذۂ داغؔ میں تو وہ بلاشبہ اپنی مثال آپ ہیں۔ خیالؔ نے غزلوں کے علاوہ چند رباعیات بھی لکھی ہیں اور ان کے پورے دیوان میں ایک مرثیہ بھی ملتا ہے جو سر سیّد احمد خاں کے سانحۂ ارتحال پر لکھا گیا ہے۔

# حصّۂ دوم

# دیوانِ خیالؔ

کونین ایک جلوہ ہے اس کے وجود کا — کیا پوچھنا ہے حسن ازل کی نمود کا

عالم ازل میں دیکھ کر اس کی نمود کا — پہنچا دیا ہے عرش پہ پرچم شہود کا

روز الست ہی سے سوال و جواب ہے — یہ سلسلہ قدیم ہے گفت و شنود کا

عالم مٹا ہے وسعت عالم کی ٹوہ میں — اب تک پتا کسی نے نہ پایا حدود کا

بیکار ہیں حدوث و قدم کی حکایتیں — پیچیدہ مسئلہ ہے فنا و وجود کا

رہتے ہیں اس کی دھن میں مگن ہم فقیر لوگ — کس کو یہاں خیال ہے نام و نمود کا

سودا[1] کیا ہے تجھ سے کہ جوہر شناس ہے — اندیشہ کچھ زیاں کا ہے دل کا نہ سود کا

تجھ سے کوئی پھرا تو وہ برباد ہو گیا — قصہ چھپا ہوا نہیں عاد و ثمود کا

ملتا ہے رزق مومن و کافر کو صبح و شام — لنگر وسیع ہے یہ ترے بذل و جود کا

نغمے نکلتے ہیں ترے شکر و سپاس کے — ہر موئے تن میں زمزمہ ہے چنگ و عود کا

مشکل کشا و عقدہ کشا تیری ذات ہے — میں بھی امیدوار ہوں دل کی کشود کا

فرض خدا کے بعد یہی فرض ہے خیالؔ
لازم ہر آدمی کو ہے پڑھنا درود کا

گنہگار ہوں ڈر ہے روزِ جزا کا — بس ایک آسرا ہے شفیع الوریٰ کا

رسولِ خدا ہے وہ بندہ خدا کا — بشر ہے مگر تاجدار انّما[2] کا

بیاں کیا ہو وصف اس شہِ دوسرا کا — بڑا رتبہ ہے جس کے در کے گدا کا

ہوئی کس کو معراج عرشِ بریں پر — یہ مخصوص اعزاز تھا مصطفیٰ کا

ثنا خوانِ حق وہ، حق اس کا ثنا خواں — خدا اس کو پیارا وہ پیارا خدا کا

نبیوں کا خاتم خلائق کا ہادی — کہ جس پر ہوا خاتمہ ابتدا کا

فقط اس کو بہبودِ اُمّت کی دُھن تھی — کچھ اس کے سوا غم نہ تھا ماسوا کا

---

[1] سودہ (خیال) [2] آیت قرآنی قُلْ اِنّما انا بشرٌ مثلکم کی طرف اشارہ ہے۔ — فارغؔ

طریقِ ضلالت سے اُس نے بچایا — بتا کر نشاں شاہراہ ھُدیٰ کا
سکھائے سب آدابِ اخلاق اس نے — پڑھایا سبق صلح و صدق و صفا کا
خدا سے جو مانگا تو رزقاً کفافاً[۵] — نہ تھا مال و زر مقصد اس کی دعا کا
نہ تھی نام کو دنیوی شان و شوکت — نہ تھا تاج و تخت اس شہِ دوسرا کا
تکلف سے خالی تھا دربارِ عالی — فقیرانہ سجادہ تھا بوریا کا
دعا[۱] جس نے مانگی طفیلِ محمدؐ — وسیلہ وہ ٹھہرا قبولِ دعا کا
بلا ٹل گئی جب لیا نامِ اقدس — عمل خوب نکلا یہ ردِّ بلا کا
صحابہ تھے سچّے فدائی نبی کے — ہر اک اُن میں پُتلا تھا مہر و وفا[۲] کا
کیا حق ادا اہلِ بیتِ نبی نے — رضا جوئی حق میں صبر و رضا کا

خیال اپنی یہ التجا ہے خدا سے
رہے ساتھ محشر میں آلِ عبا کا

یا خدا ہند میں کب تک یونہیں جینا ہوگا — کب وہ دن ہوگا جب ہم ہوں گے مدینا ہوگا
دھوم ہوگی کہ چلا دھوم سے مدّاحِ رسول — بمبئی سے جو رواں اپنا سفینا ہوگا
اب کے خالی[۳] ہیں جو پہنچوں گا درِ اقدس پر — عید سے بڑھ کے خوشی کا وہ مہینا ہوگا
دل میرا روزِ ازل دیکھ کے قدسی بولے — نامِ احمد سے مزیّن یہ نگینا ہوگا
اشک جب آنکھ میں ہے دل میں ہے عشقِ نبی — اس طرح کا نہ کوئی ساغر و مینا ہوگا
خواب میں ہوگی کسی دن جو تجلیِ رسول — طورِ سینا سا منوّر میرا سینا ہوگا
پاکر اب عشقِ نبی مجھ میں یہ کہتے ہیں سبھی — کیا خبر تھی کہ خرابہ میں خزینا ہوگا

---

[۱] دعا میں کہا جب طفیل محمد (خ)، [۲] حب و ولا (خ) [۳] مہینہ کا نام، عورتیں عموماً ذی قعدہ کو خالی کہتی ہیں (ف)، [۵] یہ ٹکڑا مشکوٰۃ شریف کتاب الرقاق کی ایک حدیث پاک سے ماخوذ ہے۔ ترجمہ: اتنا رزق جو اک بافراغت زندگی گذارنے کے لئے کافی ہو (ف)

حشر تو دور ہے لیکن ہے ابھی سے یہ سرور — جام کوثر کا تیرے ہاتھ سے پینا ہوگا

حشر میں لائیں گے سب نامۂ اعمال خیال
آپ کی نعت کا پاس اپنے سفینا ہوگا

پیمانِ وفا اے دل لیتے بھی تو کیا ہوتا — کیا ان سے وفا ہوتی کیا وعدہ وفا ہوتا

پہلو سے جدا ہو کر آنکھوں سے جدا ہو کر — دل سے نہ گیا ظالم دل سے بھی جدا ہوتا

آتے ہی چلے یہ کیا؟ آئے ہو پسِ مدت — کچھ حال کہا ہوتا کچھ حال سنا ہوتا

اغیار تھے جب وار د موجود تھے جب حامد — یہ چوک ہوئی قاصد نامہ نہ دیا ہوتا

آنکھوں سے ملیں آنکھیں کیا اس کی خوشی دل کو — دل تیرا میرا دل سے اے کاش ملا ہوتا

تم قتل سے باز آئے یہ رحم نہ تھا ڈر تھا — محشر میں گریباں گیر خونِ شہدا ہوتا

اظہارِ شکایت بھی اقرارِ محبت ہے — دل میں نہ جگہ ہوتی لب پر نہ گلا ہوتا

ناصح ان اداؤں کو دیکھا ہی نہیں تو نے — میری ہی طرح تو بھی دیوانہ ہوا ہوتا

فانوس میں ہو جب شمع کم جلتے ہیں پروانے — بے پردہ تجلی سے عالم ہی پھنکا ہوتا

فریاد اگر کرتے بے داد تیری سہتے — ایک اور نیا محشر محشر میں بپا ہوتا

مے غیر سے ڈھلوا کر ساقی مجھے پلوائی — اس سرکہ سے بہتر تھا خود زہر دیا ہوتا

بسمل کے سر بالین رہنا تھا پئے تسکین — جانباز محبت کا حق کچھ تو ادا ہوتا

غمگیں ہوں مجھے مے سے کیا خاک ملے لذت — ہر شئے میں مزا آتا دل میں جو مزا ہوتا

تم کاش گئے ہوتے دشمن کے جنازے پر — ماتم نہ بپا ہوتا ایک فتنہ بپا ہوتا

رندوں کی برائی تو کثرت سے ہوئی واعظ — کچھ ذکر خدا کا بھی اے مردِ خدا ہوتا

یہ روزِ قیامت سے بڑھ کر ہے درازی میں — دن اس کی جدائی کا تو روزِ جزا ہوتا

غفلت میں گنوائی عمر افسوس خیال افسوس
کچھ کام کیا ہوتا کچھ نام کیا ہوتا

بھروسہ ان کے وعدے پر نہ اے دل اک ذرا کرنا
کہ وعدہ سہل ہے مشکل ہے وعدے کا وفا کرنا

جو تم شکووں سے ڈرتے ہو مجھی پر اب جفا کرنا
رقیبوں کی طرح مجھکو[2] نہیں آتا گلا کرنا

چڑھی ہے تیوری، ابرو پہ بل ہے، ہاتھ میں خنجر
یہ کیا نقشہ ہے؟ کیا ساماں ہے؟ ہے آج کیا کرنا

اٹھاؤ سر، ادھر دیکھو، ملیں آنکھیں نہ شرماؤ
یہ خلوت ہے یہاں کیا شرم، محفل میں حیا کرنا

تمہیں آساں ہے بیگانہ ہونا آشنا ہو کر
نہیں دشوار ہے نا آشنا کا آشنا کرنا

کہا جب شعر، وہ بولے اچھی قدردانی کی
ہمارا کام ہے کیا روتے رہنا یا جلا کرنا

بتوں کی بندگی ہر وقت مجھ پر فرض اے زاہد
تجھے کل پانچ وقتوں میں نمازوں کا ادا کرنا

ندامت رنجشِ بے وجہ کی دیکھی نہیں جاتی
اب اقرار خطا کرنا ہے اُن سے اور کیا کرنا

حسینوں کو جہاں ضد آئی پھر مشکل سے منتے ہیں
سمجھ کر اے دلِ بیتاب عرض مدعا کرنا

وہ کہتے ہیں وفا کی التجا بھی بے وفائی ہے
سوالِ رحم کرنا بھی ہے در پردہ گلا کرنا

ہے اپنا امتحاں لینا انہیں آئے جو تربت پر
خرامِ ناز سے مقصود ہے محشر بپا کرنا

ابھی ہے دور کی صاحب سلامت گفتگو کیسی
کچھ آساں ہے کسی[1] نا آشنا کا آشنا کرنا؟

رقیبوں کا لیا جب امتحاں تجھ سے یہ فرمایا
وفادار ایک تو ہے ختم ہے تجھ پر وفا کرنا

اُلجھ پڑتے ہیں آہوں پر بگڑ جاتے ہیں شیون پر
وہ کہتے ہیں یہ شورِ حشر محشر میں بپا کرنا

ہوے جامے سے باہر تو نگاہِ شوق کھل کھیلی
مجھے اب فرض ٹھہرا چھیڑ کر تم کو خفا کرنا

کہا ہے جس طرح میں نے قسم ہے تجھ کو اے قاصد
پیامِ شوق کو میرے یونہیں جا کر ادا کرنا

سفارش جب کرے کوئی تو میرے نام سے نفرت
شکایت کا جو دفتر ہو اسے پہروں سنا کرنا

خیالؔ اتنی شکایت کیا بتوں کی بے نیازی کی
رہا ایماں سلامت، چاہیئے شکرِ خدا کرنا

نہ منتے وہ منا کے دیکھ لیا
نہ ہنسے گدگدا کے دیکھ لیا

دُور سے اُن کو جا کے دیکھ لیا
نظر اُن کی بچا کے دیکھ لیا

---

[1] کسی (غ)، [2] اصل مجکو (ق)

غیر سے ہو رہی تھیں کیا باتیں — کیوں مجھے مسکرا کے دیکھ لیا

سختیٔ ہجر و سخت جانی ہائے — بارہا زہر کھا کے دیکھ لیا

شمع رویوں سے کچھ اُمید[1] عبث — مدتوں لو لگا کے دیکھ لیا

شیخ کے حجرۂ مقدس میں — مے سرجوش[2] جا کے دیکھ لیا

اب بھی کیا با وفا نہ مانو گے — آزما آزما کے دیکھ لیا

بزم میں سب سے وہ ہنسے بولے — مجھ کو بس آنکھ اٹھا کے دیکھ لیا

ہے خوش آمد پسند ان کا مزاج — جھوٹی باتیں بنا کے دیکھ لیا

دوستی کا نباہ مشکل ہے — کتنوں کو آزما کے دیکھ لیا

ہم نہ کہتے تھے غیر ہے سرکش — آپ نے سر چڑھا کے دیکھ لیا

بتِ بے رحم کو نہ آیا رحم — زار حالت دکھا کے دیکھ لیا

عرضِ مطلب پر اُن کا قہر و عتاب — سنتے ہی التجا کے دیکھ لیا

عشق سے باز آئے گا نہ خیال
پہروں سمجھا بجھا کے دیکھ لیا

نذرانہ میں دل سا دُرِ بے بہا دیا — وہ کہتے ہیں حقیر سا یہ تحفہ کیا دیا

برہم ہیں وہ کہ نیند سے ناحق جگا دیا — ٹوٹیں یہ انگلیاں انہیں کیوں گدگدا دیا

دی وصل کی زباں کہ قول وفا دیا — کس بات کا جتاتے ہو احسان کیا دیا

لے دے کے رہ گیا ہے بس اتنا ہی التفات — دیکھا جب اس نے مجھ کو ذرا مسکرا دیا

تم کوچۂ رقیب میں ہاں ہاں نہیں گئے — جعلی کسی نے نقش کفِ پا بنا دیا

کچھ تھم چلا تھا دیدۂ خوں بار کا لہو — پھر اس نگہ کی یاد نے نشتر لگا دیا

دل کے جلے پھپھولے وہاں جا کے پھوڑ آئے — سارا فسانہ سوز و الم کا سنا دیا

قاصد نے جا کے میری وکالت تو خوب کی — پورا جواب اس نے ہر الزام کا دیا

---

[1] گیا امید کرم (ق)   [2] خم، سبو، شیشہ (خ)

دیوانگانِ عشق کی کیا کیا ادائیں ہیں — ہنسکر رُلا دیا کبھی رو کر ہنسا دیا

کان اُڑ گئے گلوں کے ترے غُل سے عندلیب — کیسا سبق بہار نے آ کر پڑھا دیا

تم جا رہے تھے غیر کے گھر آ گئے یہاں — لو آج جذبِ[1] دل کا تماشا دکھا دیا

کچھ اور بڑھ نہ جائیں کسی کی کدورتیں — کیا نام لوں کہ خاک میں کس نے ملا دیا

اب تم کو یہ پسند ہو یا ناپسند ہو — جو دل تھا میرے پاس بھلا یا بُرا دیا

فریاد کو گئے تھے زباں گنگ ہو گئی — اس سُرمگیں نگاہ نے سُرمہ کھلا دیا

ان کو کسی کے حرفِ تمنا سے کیا غرض — اس کاں ابھی سُنا ابھی اس کاں اڑا دیا

لے لے کے چٹکیاں گُل و سوسن کھلا دیئے — اس دل کو تم نے طرفہ گلستاں بنا دیا

ناصح پرائے مال کی تفتیش ہے فضول — دل میری چیز ہے نہ دیا اس کو یا دیا

اللہ تیری شان کرم کے ہیں نثار — ق — اپنا گدا بنا کے توانگر بنا دیا

دریوزہ گر کسی کا نہ ہونے دیا کبھی — اپنے خزانے سے مجھے جو کچھ دیا دیا

سو نعمتوں کی ایک یہ نعمت خدا نے دی — روزِ ازل جسے دل بے مُدّعا دیا

لے کر بلائیں اس کی دیا دل خیالؔ نے

سوچا کہ کام آئے گا اک دن لیا دیا

جب نہ تھا عشق یہ عذاب نہ تھا — آتشِ غم سے دل کباب نہ تھا

جن دنوں غیر بار یاب نہ تھا — میں وہاں موردِ عتاب نہ تھا

جب کہ وہ عمر تھے شباب نہ تھا — یہ نقاب اور یہ حجاب نہ تھا

وہ خفا ہو کے ہو گئے خاموش — یا میری بات کا جواب نہ تھا

نہ رہا دل پڑی جو اس پہ نگاہ — موج کے آتے ہی حباب نہ تھا

تیرے جانباز کی دلیری واہ — تہِ خنجر بھی اضطراب نہ تھا

---

[1] ہم نے اپنے (خ)

خیر گذری جو محتسب آیا	سامنے ساغرِ شراب نہ تھا

سوزِ غم، دودِ آہ، سیلِ سرشک	ہجر میں کون سا عذاب نہ تھا

لبِ دریا تھا سیر کے قابل	کیا مرا دیدۂ پُر آب نہ تھا

دل میں تھا ولولوں کا جوش و خروش	ایک طوفان تھا شباب نہ تھا

آج ہی کیا نیا ہے سوزِ جگر	کیا کلیجہ مرا کباب نہ تھا

سیر کو نکلے وہ جو غیر کے ساتھ	کون سا فتنہ ہمرکاب نہ تھا

کیا سنبھلتا بگڑ کر اپنا حال	کچھ زمانے کا انقلاب نہ تھا

اس کی محفل میں شب کو سب تھے خیالؔ
صرف اک میں ہی بار یاب نہ تھا

کیوں کم سنی میں رُخ پہ ہے پردہ نقاب کا	شوخی کے دن ہیں یہ تو نہیں سن حجاب کا

طاعت سے کام، دوزخ و جنت سے کیا غرض	واعظ نہ کر بیان عذاب و ثواب کا

اللہ رے اشتیاق کے خط بھی نہیں تمام	اور انتظار ابھی سے ہے خط کے جواب کا

ہوتا کبھی، یہ رُخِ محبوب سے جُدا	تارِ نگاہ تار جو ہوتا نقاب کا

بولا وہ شوخ جب یہ کہا دل ہے چُور چُور	ٹکڑا کہیں جہاں میں دیکھا حباب کا؟

آتی ہے یاد، ہائے کسی کی وہ چشمِ مست	جب دیکھتا ہوں کوئی پیالہ شراب کا

گھر بار سب اسی کی بدولت ہوا خراب	یارب بُرا ہو اس دلِ خانہ خراب کا

کہتی ہے جب حیا انہیں "تمکین چاہئے"	کہتی ہیں شوخیاں ہے "عالم شباب کا"

یوں ہے ہر اک دل میں ترا نور جلوہ گر	جس طرح ہر مکاں میں ظہور آفتاب کا

سودا نہیں کسی کا جو اے حضرتِ خیالؔ
پھر کیا سبب ہے آپ کے اس اضطراب کا

عشق ہے ایک فتنہ قامت کا	دل کو ہے سامنا قیامت کا

عجز اس بے نیاز کو ہے پسند ۔۔۔ کبر ہے زاہدوں کو طاعت کا

یا عداوت ہے مجھ سے راحت کو ۔۔۔ یا وجود اب نہیں ہے راحت کا

غیر کے گھر وہ جا نہیں سکتے ۔۔۔ میں تو عاشق ہوں اس نزاکت کا

تیغِ قاتل کا ہے بڑا احسان ۔۔۔ مجھ کو رُتبہ ملا شہادت کا

صلح اس جنگجو سے کیوں کر ہو ۔۔۔ جس کو چسکا پڑا عداوت کا

کیا ملاقات ہو گی مجمع میں ۔۔۔ حشر کا وعدہ ہے قیامت کا

دیکھ کر اس کو بول اٹھیں پریاں ۔۔۔ خوبرو ہو تو اس نزاکت کا

وصل میں شکوے یاد ہی نہ پڑے ۔۔۔ حوصلہ رہ گیا شکایت کا

وصل کا لطف کیا جو لطف نہ ہو ۔۔۔ ناز کا غمزے کا شرارت کا

بیکسی کے سوا شب فرقت ۔۔۔ کون پرساں ہے اپنی حالت کا

غمِ دل نے کبھی نہ چھوڑا ساتھ ۔۔۔ حق ادا کر دیا رفاقت کا

وہ میرا حال دیکھنے کو نہ آئے ۔۔۔ کیا رواج اُٹھ گیا عیادت کا

میں گنہگار سر بسر ہوں خیال
آسرا ہے فقط شفاعت کا

اثر الٹا ہوا نصیحت کا ۔۔۔ بڑھ گیا اور جوش وحشت کا

دل میں چمکا جو داغ حسرت کا ۔۔۔ نام روشن ہوا محبت کا

عیش و عشرت کے ہیں شریک بہت ۔۔۔ کوئی ساتھی نہیں مصیبت کا

یہ نہ کہیئے کہ مجھ[1] پہ کس کا حق ۔۔۔ بندہ پرور میری محبت کا

دل ہر اک کا دکھاتے ہو واعظ ۔۔۔ کیا یہی حکم ہے شریعت کا

محفلِ یار کا وہ خاکہ ہے ۔۔۔ حال میں جانتا ہوں جنت کا

---

[1] اصل مج [illegible]

عیش کر لو شباب کے دن ہیں　　پھر کہاں یہ زمانہ فرصت کا
نہ فلک سے گلہ نہ قاتل سے　　مجھ کو رونا ہے اپنی قسمت کا

ابھی واقف نہیں خیالؔ سے آپ
آدمی ہے بڑی مروّت کا

اس فتنہ گر کو پیار کیا ہم نے کیا کیا　　دشمن پہ دل نثار کیا ہم نے کیا کیا
دل کو صلاح کار کیا ہم نے کیا کیا　　ناداں کا اعتبار کیا ہم نے کیا کیا
کیا جانتے بھنے چڑتے ہیں وہ عرض شوق سے　　یہ ذکر بار بار کیا ہم نے کیا کیا
کہتے ہیں وہ کہ عشق نے رسوا کیا نہیں　　دل سے تمہارے خوار کیا ہم نے کیا کیا
پیغام بر رقیب ہے اس کی خبر نہ تھی　　راز اس پہ آشکار کیا ہم نے کیا کیا
بگڑے وہ اور ہم سے رقیبوں کے قتل پر　　کیوں دشمنوں پہ وار کیا ہم نے کیا کیا

دیتے نہیں وہ بوسہ ہمیں لیکے جنس دل
سودا خیالؔ ادھار کیا ہم نے کیا کیا

اس قدر فکر غمگسار ہے کیا؟　　میری حالت بہت ہی زار ہے کیا؟
اک رضا اس کی اک میری کوشش　　جبر کیا اور اختیار ہے کیا؟
دل سے گذری جگر سے پار ہوئی　　نگہِ اس کی کوئی کٹار ہے کیا؟
بہکی بہکی ہیں باتیں واعظ کی　　مئے دوشینہ کا خمار ہے کیا؟
جان اٹکی ہوئی ہے کیوں شب ہجر　　اس کے آنے کا انتظار ہے کیا؟
روند کر میری خاک وہ بولے　　آج موسم میں کچھ غبار ہے کیا؟
میں سیہ پوش دل کے سوگ میں ہوں　　اے فلک تو بھی سوگوار ہے کیا؟
نیک و بد سب خدا کے ہاتھ میں ہے　　آدمی کا کچھ اختیار ہے کیا؟
حسن کا صدقہ دولت کونین　　تو ہے کیا مال سو ہزار ہے کیا؟

بچ رہے کیوں شراب کل کے لئے — زندگانی کا اعتبار ہے کیا؟
آئے بھی وہ تو منہ چھپائے ہوئے — یہ نہ دیکھا کہ حال زار ہے کیا؟
نبھی جاتی ہے تو یہ گرمی میں — یہ بھی کچھ موسم بہار ہے کیا؟
سائی[1] اس سے بدھائی اُس سے لے — زال دنیا کا اعتبار ہے کیا؟
میری پرسش کو یار یاد آیا — آج کچھ وہ بھی بیقرار ہے کیا؟

کوئی قاتل کو جا رہا ہے خیال
اس کے سر پہ اجل سوار ہے کیا؟

یہ کیا کہا کہ غیر کے دل میں تو شر نہ تھا — کیا آج وہ شریر ہوا پیشتر نہ تھا
شرم آفتاب حشر نے رکھ لی خدا کی شان — رندوں کا نیم گوشۂ داماں بھی تر نہ تھا
ساقی بھی، مے بھی، شمع بھی، گل بھی تھے باریاب — محفل میں اس کی ایک مرا ہی گذر نہ تھا
ناصح کو اُس گلی کی ہوا لگ گئی نہ ہو — ایسا ستم ظریف تو یہ پیشتر نہ تھا
کچھ دوست ہی سے شکوۂ شکایت کا لطف ہے — الزام آپ پر تھا میرا غیر پہ نہ تھا
حاضر تھے ہم بھی مسجد جامع میں وقتِ وعظ — ایک مضحکے سے بیش کسی پر اثر نہ تھا

راہِ طلب میں لٹ گئے تاب و تواں خیال
تھا راہزن یہ شوق مرا راہبر نہ تھا

سلام آیا، پیام آیا، خط آیا، نامہ بر آیا — مزاج اس کا نصیب اپنا مقرر راہ پر آیا
ادھر پایا تیرا جلوا، اُدھر پایا تیرا جلوا — جدھر دیکھا اٹھا کر آنکھ تو ہی تو نظر آیا
کبھی غفلت نہ کی مجھ سے عیادت کرنیوالوں نے — کہ چکر اکثر آیا اور غش شام و سحر آیا
مبارک مے کشو خوش ہو مزے لوٹو بہار آئی — کھلے بوتل، چلے ساغر، وہ دیکھو ابر تر آیا
وہ عاشق جان کر مجھکو پاس آنے نہیں دیتے — خطا مجھ سے ہوئی کیوں ان سے غرض شوق کر آیا

---

[1] بیعانہ - ف

جمال ان میں جلال ان میں پھر ان میں شان استغنا　　بتوں میں کیا کہوں جلوہ مجھے کس کا نظر آیا

بہت پچھتائے ہم دل میں لگا کر نخلِ اُلفت کی　　نہ اس میں کوئی پھول آیا نہ اس میں کچھ ثمر آیا

وہ حسرت خیز ہے مدفن شہیدانِ محبت کا　　جدھر سے ابر بھی آیا کبھی تو چشم تر آیا

نکلوایا تھا[لہ] جس کو تو نے کل کس کس خرابی سے　　یہ جا کر کہہ دے دربان پھر وہی شوریدہ سر آیا

ستم دیکھو جو لکھ بھیجی حقیقت وحشتِ دل کی　　جواب خط کے بدلے ایک نشتر تیز تر آیا

یہ کیسی خو پڑی یارب دلِ وحشی وہیں مچلا　　جہاں بانکا نکیلا نوجواں کوئی نظر آیا

عدم سے سب طلبگارِ ہنر دنیا میں آتے ہیں　　چلے اس مدرسہ سے گھر جہاں اُن کو ہنر آیا

خیالؔ اللہ ری غفلت یونہیں تم بیٹھے ہو پیری میں
کرو کچھ زادِ راہ کی فکر ہنگام سفر آیا

ربط دو دن کے لئے تھا صاف اب ظاہر ہوا　　میں نے جو اوّل کہا تھا دیکھئے آخر ہوا

سامنے آئینہ دھر کر لوٹی آپ اپنی بہار　　آپ وہ منظور اپنا آپ ہی ناظر ہوا

میں نے تو جھگڑے سے بچنے کیلئے کی معذرت　　وہ نہ سمجھے مفت کا الزام میرے سر ہوا

اے بہار آئی بھی تو کلیاں کھلانے کیلئے　　کب شگفتہ تجھ سے میرا غنچۂ خاطر ہوا

رازِ دل جتنا ہے کھل جاتا ہے شعروں سے خیالؔ
مجھکو یہ افسوس ہے کاہے کو میں شاعر ہوا

ہاتھ آیا ہے مجھے اک بتِ طناز نیا　　جس کا ہر ناز نیا جس کا ہر انداز نیا

منکرِ عشق بھی ایمان ہی لائے سُن کر　　یہ تو ہے آپ کی باتوں میں اک اعجاز نیا

میں جو پہنچا تو کہا غیر سے اُٹھ جانے کو　　اس کی محفل میں ہوا میرا یہ اعزاز نیا

حُور سے بھی تجھے تشبیہ نہیں دے سکتے　　اس کے انداز پرانے ترا انداز نیا

جسے دیکھا اسے مقتولِ ادا کر ڈالا　　سحر کرتی ہے تری چشم فسوں ساز نیا

---

لہ نکلوایا گیا تھا کل جسے (رخ)

ہم بھی مجبور ہوئے غیر بھی محروم ہوا
رنگ لایا فلک تفرقہ پرداز نیا

مختصر اس کے لب و چشم کی تعریف یہ ہے
اس میں جادو ہے نیا اس میں ہے اعجاز نیا

مجھکو مقتل میں جو دیکھا تو کہا از سر لطف
چھوڑ دو اس کو ہے عاشق جانباز نیا

ہم تو جنت میں بھی اس بات کے سائل[۱] ہوں گے
مئے پرانی ہو مگر ساقی طناز نیا

غیر جڑتے ہی تھے غماز نے بھی جا کے جڑی
اور پیدا ہوا ایک تفرقہ پرداز نیا

عشق کا حال زمانے سے نیا ہے خیال
اس کا انجام نیا اس کا ہے آغاز نیا

ہے بوالہوس رقیب اُسے امتیاز کیا
کیا جانے وہ نیاز ہے کیا چیز ناز کیا

دنیا میں درد عشق کی کوئی دوا[۲] بھی ہے
آیا ہے تو علاج کو اے چارہ ساز کیا

طولِ شب فراق سے اُکتائے کیوں نہ دل
یہ بھی کسی حسیں کی ہے زلفِ دراز کیا

ہر وقت انہیں تو ایک نئے دل کی ڈھونڈ ہے
اے توبہ ان بتوں کو کہوں بے نیاز کیا

آسان ہر جگہ ہے سبک روح کو گذر
بادِ صبا کو خوف نشیب و فراز کیا

غافل مآل سوچ، نہ رکھ مال کی طمع
دو دن کی زندگی کے لئے حرص و آز کیا

کامل وہی ہے جو ہے حقیقت سے بہرہ یاب
تو کیا خیال تیرا یہ عشقِ مجاز کیا

کہتے نہیں یہ کچھ لب خاموشِ نقشِ پا
وا کس کے شوق میں ہے یہ آغوشِ نقشِ پا

ہمجنس ہونے دیتے نہیں روشناس دہر
ہوتا ہے نقشِ پا ہی تو روپوشِ نقشِ پا

کعبے کی راہ میں ہے نہ رستے میں دَیر کے
جتنا کہ تیرے کوچے میں ہے جوشِ نقشِ پا

کیوں یہ سزا ہے کون سی یارب خطا ہوئی
پامال ہو رہا ہے بر و دوشِ نقشِ پا

حسرت یہی ہے کیوں نہ ہمیں نقشِ پا ہوئے
ہوتے ہیں اس کے پاؤں ہم آغوشِ نقشِ پا

---

۱ طالب (خ)، ۲ دوا نہیں (خ)

اس کے خرامِ ناز سے پس پا تے ہیں کل
کھٹکے ہیں دل کے خال بنا گوش نقشِ پا

پامال ہو کے بھی نہ کریں آہ خاکسار
کہتے ہیں صاف یہ لبِ خاموش نقشِ پا

چھاگل سے کس کی ٹوٹ پڑا کوئے غیر میں
گھنگرو بنا ہوا ہے دُرِ گوش نقشِ پا

فرقت میں اب یہ راز تن ذتوش ہو گیا
کافی ہے اپنے زینے کو آغوش نقشِ پا

کس کا خرام ہوش ربا ہوش لے گیا
یارب اڑے ہوئے ہیں یہ کیوں ہوشِ نقشِ پا

اچھا تم اپنے پاؤں کے بوسے نہ لینے دو
ہم خاک ہو کے ہوں گے ہم آغوش نقشِ پا

بعضوں کے خاموشی میں بھی اظہار ہے خیال
رستا بتاتے ہیں لبِ خاموش نقشِ پا

گرچہ دشواری سے مشکل سے ملا
جب ملا وہ شکر ہے دل سے ملا

پائے یوسی ہے عبث بے فیض کی
دیکھ کیا دریا کو ساحل سے ملا

موت سے بدتر ہے جینا ہجر میں
مجھ کو یارب میرے قاتل سے ملا

اپنا ہادی، اپنا مرشد ہے یہی
فیض جو ہم کو ملا دل سے ملا

تو نے کھویا آپ ہی اپنا بھرم
فائدہ کیا عہدِ باطل سے ملا

خلد کو دیکھا جو میں نے غور سے
اس کا نقشہ اُس کی محفل سے ملا

ہاں بجا ہے سچ ہے آپ آئے ملے
یہ تو کہیے دل بھی کیا دل سے ملا

جاں اگر دی جانے والی چیز تھی
ملنے کا موقع تو قاتل سے ملا

دیکھ لی میں نے سخاوت آپ کی
ایک بوسہ وہ بھی مشکل سے ملا

ہاتھ آئی اس کو جنّت کی کلید
ہاتھ منعم کا جو سائل سے ملا

آپ کی محفل کی باتوں کا پتا
آپ ہی کے اہلِ محفل سے ملا

مل کے میں ناصح سے پچھتایا بہت
کس سخن نا فہم جاہل سے ملا

فق ہوا ایسا عدو کے سوگ میں
اس کا چہرہ ماہ کامل سے ملا

گل سے سیکھا ہے تغافل آپ کا
یہ پتا شورِ عنادل سے ملا

صاف طینت صاف باطن ہے خیالؔ
جب ملا جس سے ملا دل سے ملا

نہ بنا دَیر میں بھی آنے سے کچھ کام اپنا
مفت میں چاک ہوا جامۂ احرام اپنا

دفترِ اہلِ وفا میں نہ سہی نام اپنا
ہیں وفادار ہوں ان کا ہے وفا کام اپنا

کیوں میرے دل کے خریدار رہوں وہ کیا حاصل
جانتے ہیں کہ یہ ہے بندۂ بے دام[1] اپنا

مجکو ہر طرح خطا دار بنا دیتے ہیں
میرے ہی سر وہ لگا دیتے ہیں الزام اپنا

کہتے ہو تم کے تیرے نام سے نفرت ہے مجھے
غیر سے آج بدل ڈالیں گے ہم نام اپنا

غیر کے منہ سے جو سنواتے ہو الٹی سیدھی
اس سے بہتر کہ نہ بھیجو مجھے پیغام اپنا

وسوسے وصل کے دونے ہوئے اُنکی ضد پر
اور بڑھتا گیا انکار سے ابرام اپنا

دھوم کچھ ہو تو گئی جان وفا میں کھو کر
نام کچھ کر تو گیا عشق خوش انجام اپنا.

آنکھوں آنکھوں میں اڑا لیتے ہیں دل پہلو سے
باتوں باتوں میں بنا لیتے ہیں وہ کام اپنا

جانتا بھی ہے کہ ہے وصل کی کوشش بے سود
باز آتا بھی نہیں[2] پھر دلِ خود کام اپنا

اُدک ہی سے مجھے دو گھونٹ پلا دے ساقی
جام کی دیر ہے رہنے دے ارے جام اپنا

دیکھے وہ ناز بتوں کے کہ خدا یاد آیا
اور بھی پختہ ہوا دَیر میں اسلام اپنا

تھک کر آخر کو یہ کہتے ہوئے اٹھے ناصح
سوجھتا ہی نہیں کمبخت کو انجام اپنا

---

[1] بے دام ان معنوں میں فارسی نہیں، شعرائے اردو کا تصرّف ہے۔ بندۂ بے دام، غلام بے دام، اساتذۂ اردو نے استعمال کیا ہے۔ [2] باز آتا نہیں پھر کبھی (رخ)

(داغ)
ہے عالم دوری میں بڑا لطفِ تصوّر
اس واسطے ہیں بندۂ بے دام جدائی

(حالی صاحب)
کیوں لونڈی اس کی ہوں نہ زلیخا کی طرح سے
یوسف میرا غلام بے دام ہو گیا

(نواب مرزا شوق لکھنوی)
دل پھنس گیا ہے آپ کی زلفوں میں ہمارا

(ایضاً)
دنیا میں داغ صاحب اعزاز ہو تو ہو
وہ آپ کا تو بندۂ بے دام ہو گیا

اے بھی وہ شبِ وعدہ تو یہی کہتے رہے — اڑ گئی نیند یہاں لٹ گیا آرام اپنا

میں نے مانا کہ وفا کی نہیں قدر ان کو خیالؔ
کام سے کام نہیں کرتے رہو کام اپنا

دوست دشمن کو دکھا کر کرمِ عام اپنا — میرے ساقی نے اچھالا ہے بڑا نام اپنا
ان حسینوں سے نہ نکلا کبھی کچھ کام اپنا — مفت رسوا ہوئے بدنام ہوا نام اپنا
اتنی سی بات کا تم اتنا برا مان گئے — اوپری دل سے یونہی سا تھا کچھ الزام اپنا
جا، پس و پیش نہ کر فکر کم و بیش نہ کر — پیشگی لے لے تو اے نامہ بر انعام اپنا
غیر کے گھر تو وہ شب کو نہیں جانے والے — آج کچھ حالِ دگرگوں ہے سرِ شام اپنا
آپ اب آئے ہیں ناصح مرے سمجھانے کو — مجھ کو آغاز سے معلوم ہے انجام اپنا
دل کو ساقی سے کسی روز شکایت نہ ہوئی — شکر صد شکر چھلکتا ہی رہا جام اپنا
کیوں عیادت کو وہ تکلیف اٹھا کر آئے — دیکھنا چاہیئے ہر شخص کو آرام اپنا
تجھ سے نکلیں مرے ارماں یہ امید نہیں — ہاں تری تیغ نکالے گی کبھی کام اپنا
آج ہنس ہنس کے میری بات اڑا دیتے ہو — کل نہ لائے نہ کہیں حشر میں الزام اپنا
نام ہیں ان کے گنہگاروں کے جس دفتر میں — سرِ دفتر ہے جلی خط میں رقم نام اپنا
شرفا بھی کہیں دشنام سے خوش ہوتے ہیں — غیر ہی کے لیے رہنے دو یہ انعام اپنا
کچھ اثر تیری نصیحت کا نہ ہوگا ناصح — خام ہے عقل تری عشق نہیں خام اپنا

ہم سے بیگانگیٔ یار کا کیا شکوہ خیالؔ
ہو کر اپنا نہ ہوا جب دلِ خود کام اپنا

مضطرؔ آغاز ہی سے ہے دلِ خود کام اپنا — دیکھیں اس عشق میں کیا ہوتا ہے انجام اپنا
وہی میں ہوں وہی اب تک دلِ ناکام اپنا — کچھ بھلا کر نہ سکیں گردشِ ایام اپنا

---

ط، تمہید رم،

ایک یہ دل ہے کہ بن جانے کا سارا سامان — یہی خم ہے، یہی مینا ہے یہی جام اپنا

بام پر اپنے مجھے تم نہ بلاؤ نہ سہی — جلوہ تو آ کے دکھا جاؤ سر بام اپنا

رُخ و گیسو کو تیرے یاد کیا کرتا ہوں — مشغلہ صرف یہی ہے سحر و شام اپنا

عشق ہے دین میرا حُسن پرستی آئین — اس کو اب کفر کوئی سمجھے کہ اسلام اپنا

دل دیا، جان دی کھو بیٹھے حواس خمسہ — ہفت اقلیم میں جا کے ہوا نام اپنا

بخت برگشتہ فلک برسرِ کیں وہ بیزار — سب ہیں بگڑے ہوئے کس طرح بنے کام اپنا

سینے قاتل کو یہ کہہ کہکے اُبھارا آخر — کچھ دکھاتی نہیں جوہر تیری صمصام اپنا

میرے آلام و مصائب کی اسے کیا پروا — ڈھونڈتا ہے دلِ راحت طلب آرام اپنا

اس طرف بھی نگہِ مست سے دیکھ اے ساقی — بو تلوں ڈھل گئی خالی ہے مگر جام اپنا

خشک مغزی سے یہ آشفتگیٔ عشق نہیں — رہنے دو چارہ گرو روغنِ[1] بادام اپنا

باغ میں جا کے بڑھی اور بھی وحشت اپنی — یاد آیا مجھے سروِ گل اندام اپنا

لب پہ جاتے ہیں قاصد کے قلم ہوتے ہیں ہاتھ — کون لے جائے وہاں نامہ و پیغام اپنا

شاخِ گل پر کبھی بھولے سے بھی آیا نہیں یاد — آشیاں یاد اب آتا ہے تہِ دام اپنا

شہسوارانِ جہاں مر مٹے اس حسرت میں — نہ ہوا ابلقِ ایام کبھی رام اپنا

مجکو ہے اس کی خوشی خوش ہوا صیاد کا دل — کچھ جدا حال ہے اوروں سے تہِ دام اپنا

آج ساقی نے پلائی وہ مئے تند خیال
ہوش دو جام میں کھو بیٹھے خم آشام اپنا

آپ ہی تو کبھو کا تھا تنِ سُرخ تیرا — پھر غضب اس پہ ہوا پیرہنِ سُرخ تیرا

دل میں لالے کے اسی دن سے پڑے ہیں یہ داغ — نظر آیا تھا ازل میں دہنِ سُرخ تیرا

دسترس اس پہ کسی کو نہیں دنیا میں — سیبِ فردوس ہے سیبِ ذقنِ سُرخ تیرا

---

[1] تصحیح قیاسی - ق ۔ ۲ شیرۂ بادام (رخ)

رخِ گلرنگ پہ کیا سبزۂ خط کی ہے بہار
رہے سرسبز الٰہی چمنِ سرخ ترا

دیکھنے والے ہم اس کے لبِ خوش رنگ کے ہیں
جلوہ کیا دیکھیں ہم اے نار دنِ سرخ ترا!

اوڑھتی تھی کبھی لیلےٰ جو گلابی چادر
کاش مجنوں وہی ہوتا کفنِ سرخ ترا

ہو گئے زرد غمِ عشق سے فی الفور اے شوخ
سبزہ رنگوں نے جو دیکھا بدنِ سرخ ترا

عشق میں پاتے ہیں اطبا تو بتاتے ہیں مجھے
سونگھنے کے لئے سیبِ ذقنِ سرخ ترا

رختِ ہستی میں یہ عاشق کے لگاتا ہے جو آگ
شعلہ ہے، برق ہے یا پیرہنِ سرخ ترا

تنِ مجروح مرا دیکھ کے وہ بولے خیال
قابلِ سیرِ نگہ ہے چمنِ سرخ ترا

نہیں ممکن دلِ رنجور کا درماں ہونا
چارہ گر ہے تری قسمت میں پشیماں ہونا

کسی کمبخت کے دل میں کوئی ارماں ہونا
پیش از موت ہے اک موت کا ساماں ہونا

لذتِ آبلہ پائی کو بڑھا دیتا ہے
ہر قدم پر ترا اے خارِ بیاباں ہونا

چھوڑ کر شکوۂ غم چھیڑ دیا قصۂ شوق
مجھ سے دیکھا نہ گیا اس کا پشیماں ہونا

دل کو ہم بیچنے والے نہیں اونے پونے
جنس کی قدر گھٹا دیتا ہے ارزاں ہونا

سب صفاتِ ملکی تم میں سہی اے زاہد
کسی انساں سے ذرا سیکھ لو انساں ہونا

کیوں نہ دنیا میں قدم رکھتے ہی رو دے ہر طفل
زندگی بھر کا ہے یہ داخلِ زنداں ہونا

مفت لیتے نہیں دل بے درم داغ دیئے
وہ نہیں چاہتے شرمندۂ احساں ہونا

یہی مشکل ہے کہ انساں کو ہو اپنی شناخت
ورنہ دشوار نہیں صاحبِ عرفاں ہونا

خود بگڑتے ہیں وہ خود ہنستے ہیں خواں کی یہ ہے
آپ کرنا ستم اور آپ پشیماں ہونا

داغ روشن ہوئے دل میں جو غمِ عشق آیا
مقدمِ شہ میں ضروری تھا چراغاں ہونا

---

سے دو پیام رنگین (غ) نے دیکھ کر وہ تن مجروح مرا (خ)

اوّل اوّل تری ظالم وہ لگاوٹ کی ادا
جھانکنا پردے سے کچھ پردے میں پنہاں ہونا

جتنے دن ہجر میں گذرے رہے اُتنا تو وصال
چاہیئے عیش بہ اندازۂ حرماں ہونا

دیکھ کر آئینہ خود حیرتیٔ حُسن ہوئے
اب تو باور تمہیں آیا مرا حیراں ہونا

نہ ڈرو سختیٔ منزل سے بڑھے جاؤ خیالؔ
ننگ ہمت ہے صعوبت سے ہراساں ہونا

اوّل اوّل وہ مرا چاک گریباں ہونا
ان کا حیرت سے وہ انگشت بدنداں ہونا

غیر ممکن ہے کہ پھوٹے نہ کبھی عشق کی بو
خاصۂ نکہتِ گُل کا ہے پریشاں ہونا

میرا پیمانِ وفا لیکے تقاضائے وفا
ان کا اقرارِ وفا کرکے پشیماں ہونا

خارِ حسرت کی کھٹک دل کو ہے کیا سخت عذاب
اس سے بہتر تھا جگر میں کوئی پیکاں ہونا

یاد رکھنا یہ مصیبت میری یہ بیتابی
حشر کے روز گواہ اے شبِ ہجراں ہونا

آنکھ والوں کو ازل ہی میں نظر آتا تھا
دل کو اک دن ہدفِ ناوکِ مژگاں ہونا

ان سے امید نہ کچھ تیغ سے اُن کی اُمید
اپنی تقدیر میں ہے کشتۂ حرماں ہونا

دیکھ کر میری پریشانیٔ دل وہ بولے
کس کی زلفوں نے سکھایا ہے پریشاں ہونا

بیٹھے بیٹھے کوئی طوفان اُٹھانا ہر وقت
تند خو ہے اُسے برہم کسی عنواں ہونا

نہ ہو مایوس ابھی تدبیر کیئے جا اے دل
تیری مشکل کا کچھ آساں نہیں آساں ہونا

اور مسکن کبھی تو اس شہر میں ہیں بندہ نواز
غیر کے گھر کوئی کیا فرض تھا مہماں ہونا

ہوگیا باعثِ جمعیتِ دل ان کے لئے
میرے مجموعۂ خاطر کا پریشاں ہونا

غیر کو تم نے جگہ بزم میں دی شمع کے پاس
شاید اب سیکھ لے پروانے سے قرباں ہونا

قتل کو میرے نہ ڈھونڈا اور بہانے کافر
جُرم کافی ہے یہی میرا مسلماں ہونا

اور حاصل نہیں اس عشق و محبت کا خیالؔ
بس یہی دل کا ضرر جان کا نقصاں ہونا

دور ایسا تو دکھا گردشِ دوراں ہونا ۔ رات اپنی ہو، دن اپنا ہو، وہ مہماں اپنا

فاش ہوتا نہ یہ رازِ غمِ پنہاں اپنا ۔ ہائے غماز بنا دیدۂ گریاں اپنا

غیر کو لائے ہو ساتھ اپنے نگہباں اپنا ۔ کیا اس آنے کا بتاتے تم ہو احساں اپنا

ابھی پوچھو نہ سبب میری پریشانی کا ۔ پہلے سلجھا تو لو گیسوئے پریشاں اپنا

ہنسی اڑتی ہے مری جامہ دری کی کیا کیا ۔ خندہ زن خود ہے لبِ چاکِ گریباں اپنا

نکل آئے نہ لپٹ کر کوئی ارماں میرا ۔ رہنے دو اس دلِ مجروح میں پیکاں اپنا

اپنی قدر ان کو بڑھی دیکھ کے حیرت میری ۔ ان کا آئینہ بنا دیدۂ حیراں اپنا

کیا مری طرح ترے ناز اٹھائے کوئی ۔ غیر پھر غیر ہے اپنا ہے مری جاں اپنا

بے وفائی نہ کرو قول وفا کا دے کر ۔ کیا تمہیں یاد نہیں وعدہ و پیماں اپنا

کفر و اسلام سے ہے مذہبِ عشاق جدا ۔ ہندو اپنا مجھے سمجھے نہ مسلماں اپنا

ہم بھی سمجھا کے تھکے حضرتِ ناصح بھی تھکے ۔ مانتا کب ہے کسی کی دلِ ناداں اپنا

غمِ دل سن کے وہ کہتے ہیں لگایا کیوں دل ۔ نیک و بد سوچ لے پہلے ہی سے انساں اپنا

زندگی حسرتِ دیدار میں مر مر کے کٹی ۔ دل میں گھٹ گھٹ کے رہا عمر بھر ارماں اپنا

قدرداں دیکھتے ہیں قدر کی آنکھوں سے خیالؔ

اپنی ہی نظر میں بے قدر ہے دیواں اپنا

تو نے جس کی طرف اے رہزنِ ایماں دیکھا ۔ بخدا پھر نہ کبھی اس کو مسلماں دیکھا

تیرے ہی وصل کا دیکھا جسے خواہاں دیکھا ۔ تیرے ہی واسطے دیکھا جسے حیراں دیکھا

ہم نہ کہتے تھے کہ ہے اس میں بڑی رسوائی ۔ عشقبازی کا مزہ اے دلِ ناداں دیکھا

داورِ حشر سے کچھ حشر میں بھی ہم کہہ نہ سکے ۔ ہو گئے محو جہاں جلوۂ جاناں دیکھا

حسنِ تقدیر پہ تھا ناز بہت ناصح کو ۔ اس کی محفل میں مگر سر بگریباں دیکھا

اس سے اب بڑھ کے پریشانیٔ دل کیا ہو گی ۔ جب کوئی خواب بھی دیکھا تو پریشاں دیکھا

دشمن (داغ)

ٹکڑے لاشوں کے کہیں ڈھیر سروں کے ہیں کہیں — کوچۂ قاتل میں ہمیشہ یہی ساماں دیکھا

دلِ پُر داغ کی ہے سینۂ ویراں میں بہار — ان کو حیرت ہے بیاباں میں گلستاں دیکھا

اپنے اپنوں کی مصیبت پہ ہنسا کرتے ہیں — شمع کو روئے گل شمع کو خنداں دیکھا

گل میں نکہت ہے تری ماہ میں طلعت ہے تری — جلوہ ہر چیز میں تیرا ہی نمایاں دیکھا

نہ کبھی بھیج کے قاصد کو حقیقت پوچھی — نہ کبھی آ کے مرا حالِ پریشاں دیکھا

محفلِ غیر میں جاتے ہیں مرے ہوش اُڑے — کیا بتاؤں کسے اس بزم میں مہماں دیکھا

آرسی آئینہ کیا چیز کہ خود عکس کو بھی — روبرو تیرے رُخِ صاف کے حیراں دیکھا

خوبصورت جسے دیکھا اسے واللہ خیال
جان کا، مال کا، ایمان کا خواہاں دیکھا

یہ کل کی بات ہے وہ حور طلعت اپنا مہماں تھا — یہ گھر جو آج دوزخ ہے یہاں جنت کا ساماں تھا

نگہ پیاسی لہو کی تھی نہ اس کا تیر مژگاں تھا — یہ دل اے داورِ محشر ہمارا دشمنِ جاں تھا

نہ دیکھا تھا تجھے جب تک جنوں کا کچھ بھی ساماں تھا؟ — نہ دامن چاک تھا اپنا نہ چاک اپنا گریباں تھا

ہوئی جب چار آنکھیں تا ہر اُس پر شوق پنہاں تھا — چھپا رکھا تھا جو دل میں نگاہوں سے نمایاں تھا

بٹھائیں [illegible] در موں بند میرے دیکھے تھا ہیں — ازل میں مل چکا ہوں ان سے جب در تھے نہ درباں تھا

لگاوٹ کرتے کرتے وہ نذر کر گئے دل کو — اسی کا خوف تھا مجھ کو اسی سے میں ہراساں تھا

محبت بھی عجب نیرنگیاں اپنی دکھاتی ہے — زلیخا کا نہ تھا یوسف کا لیکن چاک داماں تھا

غمِ ہجر اور شوقِ وصل جیتے جی کے جھگڑے تھے — ملے جب خاک میں باقی نہ حسرت تھی نہ ارماں تھا

بہت مشکل ہے بچنا حُسن کے فتنے سے اے ناصح — فرشتوں کو کئی جاتی نہیں پھر میں تو انساں تھا

وہاں بھی حسبِ عادت اس نے رد کا ڈال دی آفت — جو تیرے در کا درباں تھا وہی دوزخ کا درباں تھا

تم نے وہ خجل میں داد خواہی سے تھا محشر میں — ادھر وہ بھی پشیماں تھا ادھر میں بھی پشیماں تھا

الف ب پڑھ رہا تھا عشق کے نکتے وہ کیا جانیں / اسے کیا مجھ سے نسبت قیس اک طفلِ دبستاں تھا

قدم کیا پاس کا آیا کہ جھاڑو پھر گئی دل میں / ہزاروں ولولے تھے، شوق تھا، حسرت تھی، ارماں تھا

گئے وہ دن کہ اپنا گھر سمجھتا تھا میرے گھر کو / وہ آپ میزباں اپنا وہ آپ اپنا مہماں تھا

خیال اب اور ہی اشغال ہیں شغلِ سخن کیسا ہو
کبھی میں بھی سخنور تھا، کبھی میں بھی سخنداں تھا

غمِ الفت میں ہو ضبطِ فغاں کیا / میرے قابو میں ہے میری زباں کیا

ادھر کو تاکتا ہے باغباں کیا / اُجاڑے گا چمن سے آشیاں کیا

خبر اپنی نہیں کچھ بے خودی میں / خبر کیا مجھکو[1] ہوتا ہے کہاں کیا

تمہارے قول کا کس کو یقیں ہے / ہمیں ہیں ایک تم سے بدگماں کیا

مقدر میں جو ہوتا ہے وہ ہوگا / خیالِ سود کیا فکرِ زیاں کیا

وہاں کب تک رہے گا سرخ روئے غیر / نہ بدلے گا کبھی رنگ آسماں کیا

مجھے بے تابیاں کیا ہوں فراموش / کبھی بھولے تم اپنی شوخیاں کیا

جسے سو بار تم نے آزمایا / پھر اس کا امتحاں پر امتحاں کیا

لیا سر پر ہمیں نے عشق کا بوجھ / اٹھاتا کوئی یہ بارِ گراں کیا

وہ دم بھرنے لگے ناصح، وفا کا / گئیں میری وفائیں رائیگاں کیا

تڑپتا دیکھ کر مجھ کو وہ بولے / ہلا دو گے زمین و آسماں کیا

نہایت پُرخطر ہے عشق کی راہ / تہمتن اس کے آگے ہفتخواں کیا

مزہ جب ہے کہ گل کے دل میں گھر ہو / بناؤں شاخِ گل پر آشیاں کیا

خیال اس کو کہوں بے مہر کیوں کر
رقیبوں پر نہیں وہ مہرباں کیا

---

١۔ اصل مجکو (ف)

کہوں میں اس سے اپنی داستاں کیا — اُسے سمجھے گا سچ وہ بدگماں کیا

دلِ بے صبر یہ شور و فغاں کیا — گرا دے گا زمیں پر آسماں کیا

کڑی باتیں نہ کہیئے عاشقوں کو — کہے گا آپ کو سارا جہاں کیا

خدا کی دین ہے وہ جس کو جب دے — محبت کے لئے پیر و جواں کیا

تامُّل دل کو لیتے ہیں نہ کیجئے — پسند آیا جو مال، ارزاں گراں کیا

ڈبویا نام سیلِ چشمِ تر نے — ڈبو دینا تھا دو اک آسماں کیا

نہ کر طولِ بیاں پر ناز واعظ — اثر جس میں نہ ہو ایسا بیاں کیا

نہ چھوڑو گے کبھی کیا بدگمانی — رہے گا امتحاں ہی امتحاں کیا

خوشی یہ وصل کی وہ ہجر کا غم — بہارِ زندگانی کیا خزاں کیا

جہاں میں حُسن ہے جب تک سلامت، — مٹے گا عشق کا نام و نشاں کیا

غم اپنے چار تنکوں کا کرے کون — چمن ہی اُڑ گیا تو آشیاں کیا

یہاں تو ہیں ترے مظلوم خاموش — قیامت میں نہ کھولیں گے زباں کیا

ستم ڈھا کر نہ ہوگا اور اونچا — بنائے گا بگڑ کر آسماں کیا

خیالؔ اچھی نہیں پیری میں غفلت
سحر جب ہو گئی خواب گراں کیا

---

عاشق سے کبھی ضبط فغاں ہو نہیں سکتا — خاموش رہے اس کی زباں ہو نہیں سکتا

چھپتا ہے چھپائے سے کوئی عشق بتوں کو — یہ راز ہے ایسا کہ نہاں ہو نہیں سکتا

محشر ہی میں یہ ہو تو ہو اللہ کے آگے — مرا ترا انصاف یہاں ہو نہیں سکتا

آزار وہ ہم کو ہے کہ ہم کہہ نہیں سکتے — وہ درد ہے دل میں کہ بیاں ہو نہیں سکتا

چھپ سکتے ہیں کیا مثلِ نگہ دل میں وہ ابرو
خنجر سے کبھی کارِ سناں ہو نہیں سکتا

قاصد تری یہ بات تو باور نہیں آتی
وہ مجھکو[1] بلائیں یہ گماں ہو نہیں سکتا

محشر میں کہاں مجھ سے چھپو گے یہ بتاؤ
دیدار کبھی کیا مری جاں ہو نہیں سکتا

مے پی لے جو واعظ نہ رہے ہر زہ سرائی
بے اس کے تو رفعِ خفقاں ہو نہیں سکتا

جب پوچھئے کیا وصل کبھی ہو نہ سکے گا
جھنجھلا کے وہ کہتے ہیں کہ ہاں ہو نہیں سکتا

چلتا ہوا جادو ہے خیال آپ کا ہر شعر
ایسا تو کوئی سحر بیاں ہو نہیں سکتا

خلش ایسی تو نہ ہوتی جو نہ ارماں ہوتا
کہیں بہتر تھا کہ دل میں کوئی پیکاں ہوتا

جھوٹ سچ اس سے کوئی وصل کا پیماں ہوتا
کچھ سکونِ دلِ بیتاب کا ساماں ہوتا

اس کی فریاد کریں حشر میں عاشق یہ غضب
کوئی لے لیتا بلائیں کوئی قرباں ہوتا

کچھ نہ کچھ ہے تو کرامت ترے دیوانوں میں
کیا قدموس یونہیں چاک گریباں ہوتا

کاش تم کرتے کسی سے تو وفا کا اقرار
مجھ سے وعدہ نہ سہی غیر سے پیماں ہوتا

بے وفا تجھ سے اگر یاد کبھی تیری ہوتی
کون دل سوز ہمارا شبِ ہجراں ہوتا

تیرا چھتی ہوئی نظروں کے چھچلتے گذرے
دل میں ڈوبا ہوا کوئی تیرا پیکاں ہوتا

بخیہ گر گیا تجھے ہم پاس پھٹکنے دیتے
قابلِ بخیہ اگر چاک گریباں ہوتا

غیر کے ساتھ تم آ کر نہ جتاؤ احسان
ایسے آنے سے نہ آتے تو اک احساں ہوتا

دوست وہ دشمنِ دل تو کسی صورت نہ ہوا
دوست یہ دل ہی ہمارا کسی عنواں ہوتا

مانتے جب ترا دعویٰ تمکین اے شیخ
تیرے دل میں کوئی چبھتا ہوا ارماں ہوتا

کچھ کرے کوئی کرے لاکھ ملامت کوئی
ہوتے ہم سر بہ گریباں جو گریباں ہوتا

جان پڑ جاتی کسی بزم کے گل دستے میں
جائے نرگس جو میرا دیدۂ حیراں ہوتا

---

[1] اصل مجکو (ف)، [2] اصل مجھسے (ف)

شکوۂ جور و ستم اس سے بھلا کیا کرتے — آنکھیں پھر چار نہ ہوتیں جو پشیماں ہوتا

کس قدر پختہ محبت میں بتوں کی ہے خیال

اسی کافر سا کوئی پختہ مسلماں ہوتا

کیا بگڑ جاتا ترا کیا ترا نقصاں ہوتا — پھیر دیتا میرا دل مفت کا احساں ہوتا

عشق گیسو نہ اگر سلسلہ جنباں ہوتا — ہتکڑی ہی پڑتی، نہ بیڑی نہ یہ زنداں ہوتا

ضبط غم سہل نہیں، ناکشی بھی مشکل — ناتوانی میں کوئی کام تو آساں ہوتا

اس کی محفل میں کسی طرح رسائی ہوتی — اس سے ملنے کا الٰہی کوئی عنواں ہوتا

کہتے ناصح سے کہ سی لے ذرا ہونٹ اپنے — ایک بھی ثابت اگر تار گریباں ہوتا

دل مایوس میں ہر وقت کسک رہتی ہے — چٹکیاں لینے کو یارب کوئی ارماں ہوتا

تیری الجھی ہوئی زلفیں ہیں نہ الجھی ہوتیں — دل ہمارا ہے پریشاں نہ پریشاں ہوتا

دیر تک لذتِ نظارۂ قاتل نہ ملی — کند کچھ تیغ ہی یا میں ہی گرانجاں ہوتا

چھتیں اڑ جائیں گی ہمسایے پریشاں ہوں گے — نالۂ دل کھول کے کرتے جو بیاباں ہوتا

اس قدر ضد اسے مجھ سے[2] مری ہر بات سے ہے — جانتا وہ[3] مجھے کافر تو مسلماں ہوتا

زاہد گوشہ نشیں، ہو نہ ہو، کوئی جن ہے — دل کے انسانوں میں رہتا اگر انساں ہوتا

اس بہلنے سے مرا فاتحہ پڑھنے کو نہ آئے — حشر سا حشر سر گور گریباں ہوتا

بخیہ چاک گریباں کی ہے کوشش بے سود — کاش خنجر کوئی پیوند رگِ جاں ہوتا

بارگاہ اس کی مبارک رہے آئینوں کو — خلوت خاص میں یہ دیدۂ حیراں ہوتا

اصل ملزم ہے خرابی کا خود اپنا وجود — میں نہ ہوتا تو نہ یہ دل نہ یہ ارماں ہوتا

نازک انداز ادھر ہوتے کسی کے غمزے — کوئی ہر تیر پہ سو جان سے قرباں ہوتا

---

۱ ناتوانوں کو (خ) ۲ اصل مجھسے (ف) ۳ وہ (خ)

دے کے دل ہم نے خیالؔ اس کی بلائیں لے لی
مفت دیتے تو یہ شرمندۂ احساں ہوتا

حرفِ حسرت زباں سے نکلا
یا جنازہ مکان سے نکلا

سیر کو جب مکان سے نکلا
وہ بڑی آن بان سے نکلا

رازِ دل جب زبان سے نکلا
تیر سمجھو کمان سے نکلا

دیکھ کر اس کو شکوہ بھول گئے
شکر دل سے زبان سے نکلا

کتنے بیزار جان سے نکلے
اس کا خنجر جو میان سے نکلا

عرضِ مطلب پہ وہ بگڑ بیٹھے
کفر گویا زبان سے نکلا

ہو گئی دھوم تیرے بسمل کی
سرخرو امتحان سے نکلا

اس نے ضد چھوڑ دی میری ضد پر
کام نکلا تو آن سے نکلا

عشقِ کونین کی سمائی کو
دل دو آسمان سے نکلا

جب ترا ذکر جس کسی نے کیا
شکوہ اس کی زبان سے نکلا

کھینچ لایا اسے یہ جذبۂ دل
کام اسی مہربان سے نکلا

خلد و آدم کا قصہ تازہ ہوا
میں جو اس کے مکان سے نکلا

ہم جو دعوئ وفا کا کرتے تھے
اب تو سچ امتحان سے نکلا

بن گئی بات یوں بنائی بات
کام دل کا زبان سے نکلا

ایک دیندار تو ہی ہے واعظ
یہی تیرے بیان سے نکلا

کوئی فتنہ جہاں کہیں پھیلا
تیرے ہی آستان سے نکلا

حیلہ گر، فتنہ خو، فساد انگیز
دل سوا آسمان سے نکلا

کاش کچھ کام بھی نکل جائے
نام تو امتحان سے نکلا

عشق کے ہاتھوں کوئی دل سے تنگ
کوئی بیزار جان سے نکلا

دل کو سمجھے ہوئے تھے ہم ناچیز — بڑھ کے سارے جہان سے نکلا

طبلِ ماتم نفیرِ آہ کے ساتھ — دھوم سے اشک شان سے نکلا

ڈرتے ڈرتے خیالِ مشکل سے
حرفِ مطلب زبان سے نکلا

کیا بات ہے عدم میں کہ دنیا سے جو گیا — آیا نہ پھر پلٹ کے وہیں کا وہ ہو گیا

دلدار کی ہوس میں دل اپنا ہی کھو گیا — لالچ میں فائدے کے یہ نقصان ہو گیا

لکھتے ہیں وہ کل آئے یہاں تو جو رو گیا — جتنا غبار تھا مرے دل میں وہ دھو گیا

جاگے مرے نصیب جو دربان سو گیا — میں بھی شریکِ انجمنِ ناز ہو گیا

کانٹے ہمارے حق میں کوئی آ کے بو گیا — ترچھی نظر سے اپنی وہ برچھی چبھو گیا

دل کی صلاح لیکے تباہی ہوئی نصیب — سمجھے تھے جسکو خضر وہ کشتی ڈبو گیا

خوش ہوں کہ باوفا تو ہوں اُسکی نگاہ میں — ہرچند سر گیا وہ مجھے مان تو گیا

اس نے کہا تھا اب یہ کسی دن نہ آنے پائے — مطلب کی بات جان کے میں رات کو گیا

خیاندہ اس کے دل کی لگی کیا بجھائیگا — بے فائدہ طبیب دوائیں بھگو گیا

کیا بارگاہ خواجہ اجمیر ہے خیال
اس در کا جو فقیر ہوا شاہ ہو گیا

جو آپ آئے شرف غریب خانہ ہوا — نقیر موردِ الطاف خسروانہ ہوا

مجھے یہ ناز ہے محشر میں ہر گناہ اپنا — ظہورِ شانِ رحیمی[۱] کو اک بہانہ ہوا

خدنگِ ناز کا روزِ ازل سے زخمی ہے — یہ دل کچھ آج ترے تیر کا نشانہ ہوا

وہ عیدگاہ میں سب سے گلے ملے خوش خوش — جو نوبت آئی مری عذرِ دردِ شانہ ہوا

سمندِ عمرِ رواں کو فنا کی منزل میں — ہر ایک تارِ نفس ایک تازیانہ ہوا

---

۱ کریمی (خ)

جو صبر ہو تو قناعت کرے کوئی خط پر — چلا میں آپ بھی جب نامہ بر روانہ ہوا

وہ راحتیں ہوئیں صیاد کی عنایت سے — قفس میں ہمکو فراموش آشیانہ ہوا

پھر اب جو اس دل مایوس میں بندھی ہے کچھ آس — مقرر آج کچھ لطف غائبانہ ہوا

مجھے نہ چھیڑیے کہہ کہہ کے اگلی باتوں کو — اب اُس فسانے کو بھولے ہوئے، زمانہ ہوا

خیالؔ کو ہوئی آخر بتوں سے مایوسی
سُنا ہے آج حرم کی طرف روانہ ہوا

اب دل میں کو صلہ باقی نہیں رہا — وہ ذوق و شوق و ولولہ باقی نہیں رہا

ہوش و حواس تاب و تواں سب الگ ہوئے — تم کیا گئے کہ قافلہ باقی نہیں رہا

کم التفاتیوں کی شکایت بھی مٹ گئی — اَن بن ہے جب سے کچھ گلہ باقی نہیں رہا

راہ سلوک میں جو ملا خار زارِ عشق — تلووں میں ایک آبلہ باقی نہیں رہا

برسوں تک ان سے خط و کتابت کی رسم تھی — برسوں سے اب وہ سلسلہ باقی نہیں رہا

طفلی میں کھیلنا تھا جوانی میں عاشقی — پیری میں کوئی مشغلہ باقی نہیں رہا

وہ پوچھنا کسی کا لپٹ کر شبِ وصال
اب تو خیالؔ کچھ گلہ باقی نہیں رہا

ایک ہمیں ہیں دیکھ لے ہمکو کیا تیرے پیچھے حال ہے جی کا — ہے یہ غلط مشہور جہاں میں کوئی نہیں دنیا میں کسی کا

سُرخ ہے چہرہ لال ہیں آنکھیں شکھی ہے چتون بگڑے ہیں تیور — وجہ تو کچھ کہیے خفگی کی کیا ہے سبب اس بے مزگی کی

سر میں کسی کی دُھن جو سمائی رات دن اپنا مشغلہ ٹھہرا — ڈھونڈتے رہنا پوچھتے پھرنا کھوج لگانا اس کی گلی کا

طعنہ کسی پر طنز کسی پر جملے ہیں اس پر پھبتی ہے اس پر — اور مزے کی بات تو یہ ہے تم کو دعویٰ بے دینی کا

فصل چمن میں روپ نیا ہے باغ ہے یا اندر کی سبھا ہے — سبزے پہ عالم سبز پری کا لالے میں جلوہ لال پری کا

گوشۂ خلوت دل کو فراغت جوش جوانی رات سہانی — یار بغل میں ہاتھ میں بوتل آج مزہ ہے بادہ کشی کا

کاوِ مگس میں وہ لب لعلیں بوسۂ لب ہیں شیریں شیریں — اتنی ملاحت پھر یہ حلاوت صاف مزہ ہے مصری کی ڈلی کا



تیرے لیے یکتا (غ)

کہتے ہیں وہ کہنے کی ہے چاہت کون ہے عاشق کسکو محبت    دوستی اب ہوتی ہے غرض کی ہے یہ زمانہ بوالہوسی کا

دیکھو خیال آئینہ لگا کر کیسی اداسی چھائی ہے منہ پر

کہتے نہ تھے ہم عشق و محبت جان کا گھن ہے روگ ہے جی کا

گھر میں اب جی نہیں لگتا تیرے دیوانے کا    گوشہ آباد کرے گا کسی ویرانے کا

کہہ گئے تیری مصیبت دیکھی نہیں جاتی    واہ کیا خوب کیا عذر چلے جانے کا

وہ بھی بیتاب ہیں اب دیکھ کے بیتاب مجھے    خود تڑپتے ہیں جنہیں شوق تھا تڑپانے کا

منہ لگایا ہے تو اب طعنے بھی اس کی سنیئے    غیر کا منہ تھا بھلا آپ پہ منہ آنے کا

سرگذشتِ غم عاشق کی خبر تم کو نہیں    حرف حرف آج زباں زد ہے اس افسانے کا

جانتا ہوں کہ یہ سر آپ کو کتنا ہے عزیز    فائدہ کیا ہے مرے سر کی قسم کھانے کا

وصل کی دی تھی زباں آتے ہی جانا کیسا    تھا لپٹ جانے کا وعدہ کہ پلٹ جانے کا

خسروِ حسن کی سرکار نرالی دیکھی    کبھی انعام نہ دیکھا کسی نذرانے کا

خلوتِ خاص ہے در بند ہیں میں ہوں تم ہو    کون ہے غیر یہ موقع نہیں شرمانے کا

کششِ پیرِ مغاں ہوتی ہے خود راہ نما    بوئے مے آپ پتا دیتی ہے میخانے کا

پینے[۱] کو حوصلہ ہے تاب نہ لانا غم کی    خودکشی کی یہ کوئی وجہ ہے پروانے کا

عشوۂ نرگس مخمور نے کیا مست کیا    دَور چلتا ہے ساقی اسی پیمانے کا

کرلے جو کچھ تجھے کرنا ہے جوانی میں خیال

کہ گیا وقت، ادے[۲] ہاتھ نہیں آنے کا

ساقیا عید ہے در کھول دے میخانے کا    پھر یہ دن ایک برس تک تو نہیں آنے کا

لاکھ سمجھائے کوئی کب ہے وہ باز آنے کا    اس ستم گار کو لپکا ہے ستم ڈھانے کا

نہ تحیر ہے نہ وحشت ہے نہ شوریدہ سری    ڈھنگ کچھ اور ہی ہے آپکے دیوانے کا

---

۱؎ تشنگی (خ)، ۲؎ پھر (خ)

پھنک[1] گیا جل کے مگر اُف نہ نکالی منہ سے
اتنی سی جان پہ کیا ظرف ہے پروانے کا

دیکھیں اب جذبۂ توفیق کہاں لے جائے
یہی مسجد کا ہے رستا یہی میخانے کا

اشکِ غم آنکھ میں بھر آتے ہیں پی جاتا ہوں
میں نہ شیشے کا ہوں محتاج نہ پیمانے کا

کہتے ہیں وہ تجھے کیا اُس رخ و گیسو سے غرض
یہ ہے آئینے کا حق حصہ وہ ہے شانے کا

نہ ہوا کوئی اثر حالِ مصیبت سُن کر
اس پہ افسوں نہ چلا کچھ مرے افسانے کا

دیکھ کر حوصلہ ملتی ہے کم و بیش شراب
کام ساقی کی نظر کرتی ہے پیمانے کا

ساز و سامانِ حقِ نا اہل میں ہے برقِ بلا
پرِ پرواز ہی قاتل ہوا پروانے کا

ہوسِ جلوۂ مقصود لئے پھرتی ہے
یوں تو کچھ شوق حرم کا ہے نہ بتخانے کا

دیکھ کر اس کا جو دل ہاتھ سے نکلا تو کیا
ارے[2] یہ وقت تو تھا جان نکل جانے کا

چلے جاتے ہیں جو مسجد کی طرف آج خیالؔ
کہیں رستا تو یہ بھولے نہیں میخانے کا

---

ازل سے میں تو ہوں دیوانہ خوش جمالوں کا
کچھ آج ہی نہیں یہ زور شور نالوں کا

بتوں نے چشمِ عنایت تو پھیر لی اپنی
خدا ہے خستہ دلوں کا شکستہ حالوں کا

نہ گل میں روشنی مہ کی نہ مہ میں سُرخیٔ[3] گل
کہاں جواب ہے کوئی تمہارے گالوں کا

وہ رند ہوں کہ ابھی خم کے خم چڑھا جاؤں
سبو کا تذکرہ کیا ذکر کیا پیالوں کا

یہ دل مرا ہے کہ یارب کوئی تماشا گاہ
ہجومِ یاس کا انبوہ ہے ملالوں کا

جو سن لیا ہے کہ محبوب ہے خدا کو جمال
دماغ عرش پہ رہتا ہے خوش جمالوں کا

کیا تو یار کا پابوس پائمالی میں
نکل گیا تو کچھ ارمان پائمالوں کا

تمہاری کاوشِ مژگاں کا دل سے ہوں ممنون
علاج خوب کیا میرے دل کے چھالوں کا

---

[1] جل بھنا خاک ہوا (خ) [2] ہائے (خ) [3] نہ گل میں روشنی مہ کی، نہ مہ میں گل کی مہک (خ)

خیالؔ ان سے کوئی کام ہو نہیں سکتا
زیادہ خوف جو کرتے ہیں احتمالوں کا

---

# ردیف بائے موحدہ

---

دیتے نہیں وہ میری کسی بات کا جواب
اس کبر اس غرور کا اللہ کیا جواب

تو حسن میں یگانہ تو میں فرد عشق میں
کوئی ترا جواب نہ کوئی مرا جواب

شیطان کی ایک ہی ہوئی پھبتی رقیب پر
جو بات آپ کہتے ہیں ہوتی ہے لاجواب

لکھا ہے خط میں غیروں سے فرصت نہیں کہ آئیں
لایا ہے نامہ بر یہ مصیبت فزا جواب

میرا سوال وصل پھر ان کی وہ گالیاں
پھر پوچھیا وہ طنز سے کہیے سُنا جواب

بیٹھے ہو کیوں حجاب سے چپ چاپ بزم میں
تم شوخیوں سے دو مری ہر بات کا جواب

اے بت خدا کے بندوں پر اتنے ستم نہ کر
دینے پڑیں گے ظلم کے روزِ جزا جواب

دشنام لاکھوں دیتے ہیں وہ بات بات پر
ملتے ہیں ہر سوال کے بے انتہا جواب

وہ اور وعدہ وصل کا خط کی رسید میں
لکھا ہے مجھ کو غیر کے دھوکے میں کیا جواب

اس رشکِ گل کو میں نے جو بھیجے تھے کل پیام
کچھ کہہ تو آج لائی ہے کیا اے صبا جواب

ہوگی سوال وصل پہ کب تک "نہیں نہیں"
دینا ہی جانتے نہیں کیا دوسرا جواب

جاہل ہے جاہلوں سے کوئی بات کیا کرے
ناصح کا خامشی کے سوا اور کیا جواب

کیوں کر نہ پیار آئے جو ایسا حسین ہو
بے مثل حُسن اور ادائیں بھی لاجواب



۱؎ سوچ (خ)

کرتے رہے ہمیشہ بتوں کی ہی بندگی

اللہ کو خیالؔ کہو دو گے کیا جواب

شوخی غضب ہے، ناز غضب ہے، حیا غضب
عاشق کی جان کو ہے تری ہر ادا غضب

زاہد کی توبہ پر کہیں بجلی نہ گر پڑے
آئی ہے جھومتی ہوئی کالی گھٹا غضب

جیتے ہیں جسکی آس پہ وہ ہے ترا کرم
مرتے ہیں جس کی خوف سے وہ ہے ترا غضب

زلف اس کی گھات میں ہے نگاہ اسکی تاک میں ہے
آفت جدا ہے جان پہ دل پر جدا غضب

وہ اول اول آنکھوں ہی آنکھوں میں چھیڑ ہائے
پہلے پہل وہ میرا ترا سامنا غضب

لاکھوں کی جان ابروئے خمدار لے چکا
چھوٹا سا تیغچہ ہے مگر ہے بلا، غضب

بت کچھ خدا نہیں کہ رحیم و کریم ہوں
دہری تو ان کی شانیں ہیں یا قہر یا غضب

قاصد کی کیا خطا تھی خطا تھی تو میری تھی
بیجا تھا اس پہ غصہ ترا ناروا غضب

بدنام ہوگے لوگ کہیں گے آکل کھرا[1]
سنتے نہیں کسی کی یہ کرتے ہو کیا غضب

تو نے ہی ہائے مجھکو نکما بنا دیا
اے عشق تیری جان پر اللہ کا غضب

وہ زلف و قد، وہ چشم و نگہ، وہ ادا و ناز
آسیب و فتنہ، قہر و قیامت بلا غضب

دل تھام لو کہ حال اپنا سناتے ہیں
یہ داستاں ستم کی ہے یہ ماجرا غضب

پروانے کا وصال ہوا وصلِ شمع سے
معشوق کا کرم بھی ہے ایکطرح کا غضب

جس کی گلی میں کٹتے ہیں لاکھوں گلے خیالؔ
تم اس سے ملنے جاتے ہو کرتے ہو کیا غضب

عشق کا آغاز خوب انجام خوب
سارے کاموں سے یہی ہے کام خوب

مست رہ، پی بادۂ گلفام خوب
غم غلط کرنا ہے شغل جام خوب



[1] حاسد۔ ف

کوئی واعظ، کوئی قاضی، کوئی شیخ[1] پیرِ میخانہ کے ہیں خدّام خوب

قیس و فرہاد آج تک مشہور ہیں عشق نے سب کا اچھالا نام خوب

اپنے گیسو پر بجا ہے اُن کو ناز صیدِ مُرغِ دل کو ہے یہ دام خوب

آگئی لیلیٰ بھی دستِ قیس میں رنگ لائی گردشِ ایّام خوب

خود وہاں جاکر کہوں اپنا پیام آپ سے ہوتا ہے اپنا کام خوب

زلف و رُخ کی دید ہو جس کو نصیب صبح اسکی اچھی اس کی شام خوب

گالیاں دیتے ہو لے کر نذرِ دل یہ صلہ اچھا ہے یہ انعام خوب

محتسب کے آگے حرمت رہ گئی کام آیا جامۂ احرام خوب

طالبِ شہرت ہے رُسوائی سے خوش ہو کے بدنام اس کا نکلا نام خوب

رات دن کرنی بتوں کی بندگی اور اس پر دعویِٰ اسلام خوب

آکے مِل جاؤ عدو کی بزم میں بس بھرا آیا ہے یہ پیغام خوب

شیخ جی کل مست ہو کر بول اُٹھے سب مشاغل سے ہے شغلِ جام خوب

آہ و زاری میں شماتت کا ہے خوف صبر کرنا ہے دلِ ناکام خوب

سب مذاہب میں نظر آیا خیال
ہم کو اپنا مذہبِ اسلام خوب

یوں قتل ہوں بے گناہ کیا خوب انصاف ترا ہے واہ کیا خوب

غیروں سے تو رسم و راہ رکھو پھر مجھ سے جتاؤ چاہ کیا خوب

کیا تیر دل و جگر پہ مارا سبحان اللہ واہ کیا خوب[2]

بولے وہ مری کراہیں سُن کر دل کش ہے یہ آہ آہ کیا خوب

---

[1] صوفی، زاہد (خ) [2] تری نگہ نے (خ)

تم کرتے رہو تباہ مجھکو[1] | مجھسے[2] ڈھونڈو نباہ کیا خوب
غیروں سے لڑائی جائیں آنکھیں | مجھسے[3] نہ ملے نگاہ کیا خوب

صورت اچھی ہے سیرت اچھی | معشوق ملا ہے واہ کیا خوب
کچھ بانکپن اور بڑھ گیا ہے | کج ہے طرف کلاہ کیا خوب
دم مہر و وفا کا بھرنے والے | محشر میں ہوں داد خواہ کیا خوب
نام ان کے ستم کا لے نہ کوئی | بدنام ہو میری آہ کیا خوب
دو گھونٹ میں غم ہوا فراموش | ساقی تری مے ہے واہ کیا خوب

لب پہ تو خیال توبہ توبہ
دل میں ہوسِ گناہ کیا خوب

دل کو فراقِ یار میں آتا ہے چین کب | ہوتا ہے مجھ سے دور مرا شور و شین کب
دنیا سے بے نیاز یہ عقبیٰ سے بے نیاز | ہے اس کے عاشقوں کو غمِ نشاتین[4] کب
اُس خوش گلو کی جس کی صدائیں پسند ہوں | سنتا ہے تیرے نغمے وہ اے تان سین[5] کب
دیوانگیٔ عشق کا ہے وصل ہی علاج | دیں نفع اس میں قافلۂ بہمنین کب
دل مجھسے[6] دام لے تو لیا زلف یار نے | دیکھوں اب اس کے سر سے اُترتا ہے دین کب
راضی رضا پہ رہتے ہیں خاصانِ کردگار | گھبرائے کربلا میں جنابِ حسین کب

آنکھیں خیالؔ کھوتے ہیں آخر کو طفلِ اشک
پُرنور رہنے دیتے ہیں یہ نورِ عین کب

---

[1] اصل مجکو۔ ف [2] [3] اصل مجسے۔ ف [4] نشاتین، واحد نشاۃ یعنی نشہ۔ ف [5] دربار اکبری کا مشہور گویا۔ ف [6] اصل مجسے۔ ف

# ردیف بائے فارسی

جس سے دیکھا چار دن دیکھا ملاپ — یہ بھلا کس کام کا تیرا ملاپ
دشمنی کی ابتدا ہے دوستی — وہ ہی بگڑا مجھ سے جس سے تھا ملاپ
رنگ لائے گا ہمارا جذبِ دل — دیکھ لینا ایک دن ہوگا ملاپ
خود غرض کی بات کا کیا اعتبار — کیسی اس کی دوستی کیسا ملاپ
پل میں ناخوش اور پھر دم بھر میں خوش — ہے عجب اُن کا بگاڑ اُن کا ملاپ
غیر سے نفرت تھی کل تک اور آج — یہ ملاپ ایسا ملاپ اتنا ملاپ
آمد و شد اب ہے پاسِ وضع سے — ہائے پہلا ارتباط اگلا ملاپ
مل گئیں آنکھیں تو اس کی کیا خوشی — لطف جب ہے دل سے ہو دل کا ملاپ
جاتے جاتے یہ کدورت جائیگی — ہوتے ہوتے ہوگا اگلا سا ملاپ
دوستی آسان مشکل ہے نباہ — عمر بھر یکساں نہیں رہتا ملاپ
اب قیامت تک رہے گا یہ بگاڑ — ہو گئے وہ دن کہ باہم تھا ملاپ
غیر سے میں نے بڑھایا ارتباط — اس سے اُن سے اب رہیگا کیا ملاپ
میل آسان ہے جو ہو خالی[1] بگاڑ — ضد جب آئی ہو نہیں سکتا ملاپ

خود ملا وہ خوب رُو آ کر خیال
ہو مبارک آپ کا اس کا ملاپ

---

# ردیف تائے فوقانی

جگر کا وہی حال جو دل کی صورت — تڑپتے ہیں دونوں ہی بسمل کی صورت

---

[1] خالی، یعنی "صرف" یا محض بھی آتا ہے سہ (ناسخ) کون دونوں میں خدا جانے خدا کو ہو پسند کفر بھی چاہیے لازم نہیں ایمان خالی

چھپائے کوئی لاکھ اُلفت کے جذبے
وہ پہچان جاتے ہیں مائل کی صورت

سرِ شام آتے ہی جاتے ہو یہ کیا
رہو رات بھر ماہِ کامل کی صورت

جمی ہے نظر آپ کی آئینے پر
کچھ ایسی ہے مدِّ مقابل کی صورت

کیا چشمِ حسرت نے کیا کوئی جادو
تڑپتا ہے قاتل بھی بسمل کی صورت

ملے کانٹے ہی کانٹے راہِ طلب میں
رہی ایک ہر ایک منزل کی صورت

ان آنکھوں نے رو رو کے دریا بہائے
مگر لب رہے خشک ساحل کی صورت

رقیبوں کی تعریف کیا کر رہے ہو
بُری شکل بھی ہے بُرے دل کی صورت

اُدھر بزم میں مثلِ گُل کوئی خنداں
اِدھر کوئی نالاں عنادل کی صورت

پکڑ لائیں گے ڈھونڈھ کر روزِ محشر
کبھی چھپ نہیں سکتی قاتل کی صورت

اُسے جھوٹوں دھمکی دوں ترکِ وفا کی
اسی شوخ کے عہدِ باطل کی صورت

جوانی کے دم تک تھا رنگ جوانی
ہوئی اور ہے اور اب دل کی صورت

یہ منہ تیرا زاہد یہ عرفاں کا دعویٰ
یہی ہوتی ہے شیخِ کامل کی صورت؟

اِسے رشک اُس سے حسد اُس کو اس سے
یہ کہتی ہے یارانِ محفل کی صورت

تصور جو ہے ایک محمل نشیں کا
مرے دل کی صورت ہے محمل کی صورت

رہِ عشق میں کانپتا ہے کلیجا
ڈراتی ہے ایک ایک منزل کی صورت

وہ جب تک رہے اور تھا رنگِ محفل
گئے تو ہوئی اور محفل کی صورت

تجھے کون اے بوالہوس سمجھے عاشق
کہ پہچاں نہیں حق و باطل کی صورت

خیالؔ اُن سے کیا عرضِ حاجت کی حاجت
سوال آپ ہوتی ہے سائل کی صورت

---

۱؎ وضع اور دھج، ۲؎ پردہ نشیں کا ہودج

بدگماں کہنے لگا سُن کر ہماری سرگذشت  سچ تو کہیئے آپ کیا سچ ہے یہ ساری سرگذشت

دل بھر آیا اور رحم آیا تو مشکل ہے جفا  اس لئے سنتا نہیں ظالم ہماری سرگذشت

پیاری پیاری صورتوں کا پیار ہم کرتے رہے  سرگذشت اپنی بھی ہے کیا پیاری پیاری سرگذشت

غم مجھے کیسا ہے کیوں بے تاب ہوں کیونکر کہوں  کہنے دیتی ہی نہیں یہ بے قراری سرگذشت

اپنے دل سے پوچھیے کیا کیا ستم ہم پر ہوئے  آپ ہم سے پوچھتے ہیں کیوں ہماری سرگذشت

قیس کیا ہے اور میں کیا؟ جانیئے جب سنیئے آپ  میری پوری سرگذشت اور اسکی ساری سرگذشت

کیا نہیں ملتا وفاؤں سے محبت کا ثبوت  کر نہیں سکتی ہے کیا آئینہ داری سرگذشت

اس نے دن کاٹے خزاں کی حسرتوں سے کس طرح  پوچھ تو بلبل سے اے بادِ بہاری سرگذشت

قصہ خواں کے پھر کسی قصے میں لطف آتا نہیں  کاش ہم سے تم جو سُن لیتے ہماری سرگذشت

جب ہماری نوبت آئی بزم سے وہ اٹھ گئے  سُن رہے تھے عاشقوں سے باری باری سرگذشت

میں تو اس کہنے کے صدقے کہتے ہیں بسمل خیال

اب سُنی جاتی نہیں ہم سے تمہاری سرگذشت

دل کے لینے تک تھا[1] سارا التفات  اب کہاں وہ بات کیسا التفات

اس تلوّن طبع کا کیسا التفات  آج اگر ہے کل نہ ہوگا التفات

جی جلا دیتی ہے ٹھنڈی گرمیاں  جاؤ بھی رہنے دو ایسا التفات

دُزدِ دل ان کی لگاوٹ کی نگاہ  رہزنِ ایماں بتوں کا التفات

دیکھ لیتے ہیں کنکھیوں سے مجھے  رہ گیا ہے اب بس اتنا التفات

چار دن کی چاندنی ہے فی المثل  چند روزہ مہ وشوں کا التفات

باتوں باتوں میں کدورت ہو گئی  مل گیا مٹی میں سارا التفات

آ گئی یاروں میں کبھی عیاریاں  کینہ پنہاں آشکارا التفات



[1] جن کا (ح)

دردِ دل ان سے کہے جائیں گے ہم کہتے سنتے کچھ تو ہوگا التفات

میں وہاں جاتا ہوں دیکھا چاہیئے بے رُخی کرتے ہیں وہ یا التفات

دل سے ہم ممنون ہیں ان کے خیال

جب سے پایا سراپا التفات

اچھا نہیں ہوتا کبھی بیمارِ محبت گویا مرض الموت ہے آزارِ محبت

کیوں سرد ہے اب جوشِ خریدارِ محبت کیا ہوگئی وہ گرمیٔ بازارِ محبت

معلوم ہوا اب کہ وہ تھیں باتیں ہی باتیں شوخی سے شرارت سے تھا اقرارِ محبت

یا ایسے وہ بھولے کہ سمجھتے ہی نہیں کچھ یا خود مجھے آتا نہیں اظہارِ محبت

ہیں ایک ہی ڈورے میں بندھے شیخ و برہمن دونوں ہی کی گردن میں ہے زنّارِ محبت

گلدستے ہیں زخموں کے کنول داغوں کے دل ہیں کیا طرفہ ہے آرائشِ دربارِ محبت

چتون کہے دیتی ہے کہ اُلفت ہے اُسے بھی کیا فرض ہے منھ کھول کے اقرارِ محبت؟

لذت وہ شکر میں نہ مزہ شہد کا ایسا کچھ اور ہے شیرینیٔ گفتارِ محبت

محشر میں خیالؔ آج کریں اُس کا گلہ کیا

دنیا میں تو کرتے رہے اظہارِ محبت

---

تپِ مزمنِ عشق ہے چارہ گرو نہ دوا کرو میری دوا ہے عبث

تپ کہنہ کسی کو جو ہو گئی ہو تو پھر اُسی کی امید شفا ہے عبث

کوئی مہر و وفا جو بتوں سے کرے تو یہ اور بھی کرتے ہیں اُس پہ ستم

جو نتیجہ ہے مہر و وفا کا یہی تو پھر ایسوں سے مہر و وفا ہے عبث

ابھی جوشِ شباب ہے نام خدا یہی دن یہی سن تو ہے شوخیوں کا

تمہیں شرم و حیا ہے یہ بات ہے کیا ملو کھل کے یہ شرم و حیا ہے عبث

یہ ہزار جواب بنا کھپائیں گے سر ہمیں کچھ بھی نہ ہوگا کہے کا اثر

کہو ناصحوں سے کہ بکیں نہ بہت غل و شور انھوں نے کیا ہے عبث

کروں ان سے شکایت جور و جفا تو وہ کہتے ہیں یہ تو ہے شیوہ مرا

جو حسینوں کے ناز کو سمجھے برا تو وہ شائقِ حسن و ادا ہے عبث

کوئی ساقی ہوش ربا سے کہے کہ وہ آئے شراب کا جام لئے

جو شراب نہیں یہ فضا ہے عبث یہ گھٹا ہے عبث یہ ہوا ہے عبث

یہ وہ جھگڑے ہیں مذہب و فلسفے کے نہ مٹے ہیں کبھی نہ مٹیں گے کبھی

نہیں فائدہ بحث و جدال سے کچھ لِم و لا نہ کرو لِم و لا ہے عبث

تمہیں کچھ بھی خیال ہے خوف خدا کہ بتوں کی ہی یاد ہے صبح و مسا

کرو کچھ تو خیالِ جزا و سزا یہ خیالِ بتاں بخدا ہے عبث

ساقی بنا ہے آپ ہی وہ رشکِ حور آج
ٹوٹے گی پارساؤں کی توبہ ضرور آج

پھیلا جمالِ یار سے گھر میں یہ نور آج
ہر سنگ آرہا ہے نظر کوہ طور آج

اب تم سمجھ گئے کہ تمہیں چاہتے ہیں ہم
پہلے سے کچھ زیادہ ہے ناز و غرور آج

ابرو پہ بل جبیں پہ شکن بے سبب نہیں
بگڑا ہی ہے کچھ رقیب سے تم سے فرور آج

جامِ شراب ہاتھ میں ساقی ہے روبرو
دل میں سرور آج ہے آنکھوں میں نور آج

وہ شام ہی سے وصل میں کہنا کسی کا ہائے
ہوتا نہیں سحر کا الٰہی ظہور آج

کل تک تو مہربان تھے کیوں ہو گئے خفا
کچھ کہئے تو کہ مجھ سے ہوا کچھ قصور آج

وہ دن گئے کہ لیلیٰ و شیریں کا شہرہ تھا
شہرت تمہارے حسن کی ہے دور دور آج

یہ مست محتسب ہے خُمِ مے ہے دوش پر — دیکھے تو کوئی قدرتِ حق کا ظہور آج

شرم و حیا ضرور ہے غیروں سے وصل میں — شرم و حیا سے کہہ دو رہیں دور دور آج

رند و خبر لو حضرتِ واعظ وہ بیٹھے ہیں — مدّت کے بعد ہاتھ لگے ہیں ضرور آج

کل جس گلی میں جا کے پشیماں ہوئے تھے ہم — پھر لے چلا وہیں یہ دلِ ناصبور آج

بے وجہ بے خودی ہو یہ ممکن نہیں خیال
آنکھیں کہیں لڑی ہیں تمہاری ضرور آج

---

کہتے ہو کہہ دو ماجرا سچ سچ — ہو گے ناخوش اگر کہا سچ سچ

حالِ دل میں نے تو کہا سچ سچ — جھوٹ سمجھے تم اسکو کیا سچ سچ

اس نے جو کچھ کہا ہو اے قاصد — من و عن کہہ، ذرا ذرا سچ سچ

غیر کا جھوٹ جھوٹ ہو کے رہا — ثابت آخر ہوا مرا سچ سچ

تو نے کیا کیا کی دل کی دلداری — مجھ سے کہہ دے یہ دلربا سچ سچ

خط میں وعدہ بھی اشتیاق بھی ہے — اس نے لکھا ہو یا خدا سچ سچ

تو سہی اُس سے تم بگڑ جاؤ — حال سُن لو جو غیر کا سچ سچ

تم نہ مانو تو ہے یہ اور ہی بات — میں نے جو کچھ کہا، کہا سچ سچ

اس کی ہر بات پر خوشامد سے — کہتے ہیں سب "بجا بجا" سچ سچ

مجھ پر بہتان غیر نے باندھا — تم نے اس کو سمجھ لیا سچ سچ

ڈرتے ہیں امرِ حق میں کب حق گو — کہتے ہیں صاف برملا سچ سچ

اور سنیئے وہ مجھ سے[1] پوچھتے[2] ہیں — کس کا عاشق ہے تو بتا سچ سچ

---

[1] کہتے ہیں - خ [2] اصل مجھے - ف

اس کے خط میں بھی ہے یہی مضمون ۔۔۔ نامہ بر تو نے سب کہا سچ سچ
واقعی ہے رقیب بے غیرت ۔۔۔ کہتے ہو اسکو بیحیا سچ سچ
عشق کی واردات کہتے ہیں ۔۔۔ آشنا سے بھی آشنا سچ سچ
کہہ چکا غیر جوڑ توڑ کے ساتھ ۔۔۔ مجھ سے اب شکوہ ماجرا سچ سچ

میرا قصہ[1] سُنا جو مجھسے خیال
اس نے ہر لفظ پر کہا سچ سچ

ابرو پُر خم ہے خنجر کی طرح ۔۔۔ تاب وسمہ تاب جوہر کی طرح
دل بھی ناخوش مجھسے[2] دلبر کی طرح ۔۔۔ دونوں بگڑے ہیں مقدر کی طرح
ہر طرف جاتی ہے ساقی کی نگاہ ۔۔۔ دَور میں رہتی ہے ساغر کی طرح
تم یہاں ناحق تکلف کرتے رہو ۔۔۔ گھر تمہارا ہے رہو گھر کی طرح
پھر نہیں آتی اگر جاتی رہی ۔۔۔ آبرو ہے آب گوہر کی طرح
جھک کے مِل درویش سے درویش دار ۔۔۔ کھنچ تو انگر سے توانگر کی طرح
منھ کو پھیلائے ہو غنچے کی مثال ۔۔۔ ہنس دو اب ہنس دو گلِ تر کی طرح
انتظار یار میں کیا آئے نیند ۔۔۔ رہتی ہیں آنکھیں بھی وادر کی طرح
دل جگر دہکے ہوئے انگارے ہیں ۔۔۔ سینۂ سوزاں ہے مجمر[3] کی طرح
کس غضب کی ہے تری مژگاں کی نوک ۔۔۔ دل میں چبھ جاتی ہے نشتر کی طرح
شیشۂ دل کیوں نہ چکنا چور ہو ۔۔۔ بات ناصح کی ہے پتھر کی طرح
دیکھئے دونوں میں ہو کیونکر نباہ ۔۔۔ تند خو ہے دل بھی دلبر کی طرح

---

[1] قصۂ غم ۔ خ [2] اصل مجھسے ۔ ق [3] انگیٹھی بخور کی

ہجر میں لبریز ساغر دیکھ کر — آنکھیں بھر آتی ہیں ساغر کی طرح
سچ کہا قاصد نے وہ آنے کو ہیں — آج ہے بدلی ہوئی گھر کی طرح
آرزوؤں کا ہے لشکر ارد گرد — قلب میں دل میرا لشکر کی طرح
عید کے دن بھی گلے ملتے نہیں — وہ کھچے بیٹھے ہیں خنجر کی طرح

کیا شگفتہ ہوں دلِ مضموں خیال
یہ زمیں ہے سخت پتھر کی طرح

"ترک کر عشق" کیا ہی ناصح — اس سے بہتر ہے خودکشی ناصح
نہیں سنتا کبھی کسی کی بات — ہے کہے جاتا ہے اپنی ہی ناصح
نہ جلا اور اس جلے دل کو — نہ سنا یوں جلی کٹی ناصح
تجھے کیا میری زندگانی سے — کٹ رہے گی بری بھلی ناصح
ہاں وہاں جا میری سفارش کر — یہ ہی تم نے کام کی ناصح
شاعروں کے یہ چار چھٹے ہیں — محتسب، شحنہ، شیخ جی ناصح
کسی کافر پہ تم بھی مر دیکھو — آئے گا لطف زندگی ناصح
رہتی ہے ایک نہ اک بلا ہر وقت — چارہ گر ہے کبھی، کبھی ناصح
آدمیت ذرا نہیں اس میں — یوں بظاہر ہے آدمی ناصح
عشق میں تجربے بھی ہوتے ہیں — نہ سمجھا اس کو دل لگی ناصح
دل کو لگتی نہیں تری تقریر — ساری باتیں ہیں بے تکی ناصح
آدمی ہی تو عشق کرتے ہیں — میں بھی آخر ہوں آدمی ناصح
کیوں ترے کہنے پر عمل نہ کیا — واقعی چوک ہو گئی ناصح

عقل انساں کو دی خدا نے خیالؔ
کہ وہ ہوا اپنا آپ ہی ناصح

مسند کو چھوڑ کر جو کیا بوریا پسند
شاید جناب شیخ کو آئی ریا پسند

اس مست عشق دل کو ہے زلف دوتا پسند
میکش کو جیسے ہوتی ہے کالی گھٹا پسند

صیاد کے کرم سے قفس میں ملا وہ لطف
اب صحن باغ کی نہیں آتی فضا پسند

کیا وجہہ ناخوشی کی ہے ناراض کیوں ہو
کی میں[1] نے کیا خطا ہوئی کیا بات ناپسند

رہ رہ کے اس کا ذکر نہ چھیڑوں تو کیا کروں
کچھ اور تذکرہ نہیں اس کے سوا پسند

زاہد سے اور مجھ سے[2] بھلا کس طرح بنے
میرا جدا مذاق ہے اس کی جدا پسند

تیری گلی کے پھیرے لگائے جو کوچہ گرد
گلگشت باغ خلد اسے آئے کیا پسند

نفرت ہے ان کو رحم و کرم لطف و مہر سے
قہر و ستم پسند ہے جور و جفا پسند

عنقا کی طرح دیدۂ مردم سے دور رہ
نام اپنا چاہتا ہے تو کر انزوا پسند

بشاش ہو گیا وہ مری آہ سرد سے
آتش مزاج کو ہوئی ٹھنڈی ہوا پسند

رنجور عشق غم سے نہیں چاہتا نجات
ہوتی ہے ہر مریض کو ورنہ شفا پسند

آئینہ دیکھ دیکھ کے اترائے جاتے ہیں
شان اپنی ہے پسند انہیں اپنی ادا پسند

خوبی وہ کون سی ہے نہ ہو تجھکو[3] جس کا ذوق
صرف ایک وفا نہیں تجھے اے بیوفا پسند

ظاہر کچھ اور جس کا ہو باطن کا رنگ اور
تم کو وہی پسند ہے جیسے حنا پسند

میری وفا پسند ہے یا غیر کی دغا
کیا ناپسند آپ کو ہے اور کیا پسند

واپس بھی میرے دل کو وہ کرتے نہیں خیال
پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ ہے مال ناپسند

دل سے جاتی نہیں تمہاری یاد
رات دن ہے یہ پیاری پیاری یاد

---

[1] اصل میرے۔ ف [2] اصل مجھسے۔ ف [3] اصل تجکو۔ ف

آخر اک روز خاک ہونا ہے | رہے انساں کو خاکساری یاد
اس کو ہر آن امتحاں کا خیال | مجھ کو ہر وقت جاں نثاری یاد
چٹکیاں لیتی ہے یہ رہ رہ کر | چھیڑتی رہتی ہے تمہاری یاد
کہتے ہیں وہ میرا خیال کہاں | تجھ کو رہتی ہے آہ وزاری یاد
دل جو غصّے سے ہو گیا خالی | اب ہے اس میں رہے ہماری یاد
تیغ ہر بات پر منگاتے ہیں | ہر گھڑی ہے چھُری کٹاری یاد
آن، ادا، غمزہ، عشوہ، حیا | گھاتیں ہیں دلبری کی ساری یاد
چپ لگی ہے خزاں میں بلبل کو | اس کو ہے موسمِ بہاری یاد
حشر میں ایک ایک کہہ دینگے | ہیں تمہاری جفائیں ساری یاد

ابھی تم کو نہیں خیال کی قدر
ایک دن ہوگی جاں نثاری یاد

---

دنیا میں کس کو دوست ہے دشمنی پسند | سارے جہاں سے ہے نرالی تری پسند
لطف و کرم کرے کہ وہ جور و ستم کرے | اس کی رضا سے کام ہے اس کی خوشی پسند
موقوف مال و جاہ پہ حسنِ نظر نہیں | خسرو کی جو پسند وہ فرہاد کی پسند
منہ سے ہزار تم مرے دل کو بُرا کہو | چتون تو کہہ رہی ہے یہ چیز آگئی پسند
بسمل بناتے ہیں وہ لگاوٹ کی آنکھ سے | میٹھا لگا ہے سال ہے میٹھی چھُری پسند
ہاں ہاں وہ بے وفا نہ سہی بے وفا سہی | مجھ کو وہی پسند ہے، ناصح، وہی پسند
گوندھواتے ہیں دلوں کو وہ چوٹی کے ہار میں | سج دھج عجب، اُپج ہے نرالی، نئی پسند

---

۱؎ اصل مجکو (ف) ۲؎ اصل تجکو (ف) ۳؎ اصل مجکو (ف)

کیا خوب ہیں برا میری ہر بات تو بُری — اور انتخابِ حُسن ہیں اچھی مری پسند

کچھ اُس سے کم تو صاف یہ کمبخت دل نہ تھا — قسمت کی بات ان کو ہوئی آرسی پسند

چُپ ہوں ہزار چھیڑ کی تم گفتگو کرو — تم کو ہے شوقِ جنگ مجھے آشتی پسند

صدقے تری پلک کے ترے ہونٹ کے نثار — گلزار حسن کی ہے ہر اک پنکھڑی پسند

اک میں کہ تم سے دشمن جاں کا ہوں جاں نثار — اک تم کہ مجھ[1] سے دوست سے ہے دشمنی پسند

رنگینیوں کا شوق جوانی میں تھا خیال
بال اب ہوئے سفید ہوئی سادگی پسند

ہے کرم[2] کی دل کو دلبر سے اُمید — جیسے مفلس کو تونگر سے اُمید

ہو چکی اُن سے صفائی ہو چکی — صلح کی کیا کینہ پرور سے اُمید

نامہ و پیغام پھر آنے لگے — پھر بندھی دل میں نئے سر سے اُمید

چھوڑ کر یہ آستاں جاؤں کہاں — ہے اسی سرکار اسی در سے اُمید

عیب اے منعم چھپا رہتا نہیں — پردہ پوشی کی نہ رکھ زر سے اُمید

تجھ سے ٹوٹی ہمارے دل کی آس — رہ گئی کچھ تیرے خنجر سے اُمید

کون ہے اس دہر[3] میں جوہر شناس — آبرو کی کیا ہو جوہر سے اُمید

دوستی کی جن کی ڈھارس تھی بہت — کچھ نہیں اب ان میں اکثر سے اُمید

کب بجھا سکتا ہے یہ دل کی لگی — خاک رکھوں دیدۂ تر سے اُمید

مہر کی آس ان بتوں سے ہے عبث — جس طرح نرمی کی پتھر سے اُمید

اے سرشکِ یاس تو نے کیا کیا — مٹ گئی لوحِ مقدر سے اُمید

---

[1] اصل مجھ  [2] رہتی ہے یوں (خ)  [3] دور (خ)

لو لگی ہے چشمِ ساقی سے مری ہے کشودِ دل کی ساغر سے امید

مغفرت سے ہو نہ مایوس اے خیال

رکھ شفاعت کی پیمبرؐ سے امید

مرتا ہوں دکھا جا مجھے ایک جلوہ تو آ کر اے مستِ ادا حقِ وفا کچھ تو ادا کر

دل کعبہ ہے کعبے میں تو فتنہ نہ بپا کر کچھ خوفِ خدا کر ارے کچھ خوفِ خدا کر

کھائی ہے وفا کی جو قسم ترکِ جفا کر پھرتا ہے کوئی قول سے قرآن اٹھا کر

پہنچا دے مری خاک کو اس در پہ اڑا کر احسان موئی مٹی پہ اے بادِ صبا کر

یا رحم دے یا رب بتِ بے رحم کے دل میں یا اس دلِ بے صبر کو تو صبر عطا کر

دنیا سے انوکھے ہو زمانے سے نرالے اتنا بھی گھٹاتا ہے کوئی ربط بڑھا کر

س عشق میں کیا کیا نہ کیا تجربہ حاصل ہشیار ہوا دل مجھے دیوانہ بنا کر

لجھ رنگ نہ لائے کہیں چھینٹ اڑ کے لہو کی گردن پہ چھری پھیرئیے دامن کو بچا کر

سہ سہ کے ستم خوئے ستم تو نے سکھا دی یہ عذر کیا کرتے ہیں وہ مجھ کو ستا کر

م دل سے ہماری نکل جاؤ تو جانیں مانا کہ گئے ہاتھ سے دامن کو چھڑا کر

ما دل کبھی دیوانے کو تنہا نہیں رکھتے تم چھوڑ نہ جاؤ مجھے دیوانہ بنا کر

ییدار کے بھوکے ہیں دعا دیتے ہیں کب سے تیرا بھی بھلا ہوگا فقیروں کا بھلا کر

ب یہ ہے میرا حال کہ وہ ملتے ہیں جب سے کہتے ہیں کہ اس شخص کے جینے کی دعا کر

ے لطف یہی کسبِ زر و مال کا منعم اس ہاتھ لیا کر اسے اس ہاتھ دیا کر

ب مست ہیں میخانے میں سنتا ہے تری کون واعظ تجھے بکنے کی ہے عادت تو بکا کر

رندی میں خیال اپنی جوانی تو گنوا دی

اب پیر ہوا مردِ خدا یادِ خدا کر

---

ولولہ دل کا بڑھا زلفِ دوتا کو دیکھ کر — مست میکش ہو گیا کالی گھٹا کو دیکھ کر

شاد ہے دل یوں نگاہِ دلربا کو دیکھ کر — آشنا جس طرح خوش ہو آشنا کو دیکھ کر

اللہ اللہ یہ تڑپ اس طرح کی وارفتگی — دلربا خود لوٹتا ہے دل کی ادا کو دیکھ کر

کہتے ہیں وہ حشر کے دن کون ہوگا دادخواہ — یاد رہ سکتا ہے کب بندہ خدا کو دیکھ کر

تم کہاں سے آئے ہو ایسے گھبرائے ہوئے — کیا کہیں گے دشمن اس چاکِ قبا کو دیکھ کر

پھر چلا آتا ہے ناصح مغز کھانے کے لئے — کانپ جاتا ہے مرا دل اس بلا کو دیکھ کر

اس گلی کا جوشِ وحشت میں پتہ ملتا نہ تھا — کھل گئیں آنکھیں سی تیرے نقشِ پا کو دیکھ کر

پڑ گئی تھی تیرے دل میں جو گرہ وہ کھل پڑی — وا ہوا یہ عقدہ وا بندِ قبا کو دیکھ کر

کوچۂ اغیار میں یہ بیخودی کیسی خیالؔ
اڑ گئے اوسان کس کے نقشِ پا کو دیکھ کر

ناز ہے ان کو دل مرا لے کر — بے بہا مال بے بہا لے کر

دل کو مٹھی میں رکھ لیا لے کر — منھ سے بولے کریں گے کیا لے کر

ہاتھ چوموں قدم لوں قاصد کے — آگیا نامہ یار کا لے کر

شوقِ منزل ہوا نہ ضعف سے کم — پھر چلے آگے دم ذرا لے کر

منھ کی کھائی الجھ کے ناصح نے — اپنا سا منھ وہ رہ گیا لے کر

نکہتِ زلفِ یار اڑا لاتی — آئی کیا بوئے گل صبا لے کر

ہاتھ اپنے کھنچے شکنجے میں — شکنِ زلف کی بلا لے کر

کب ہے وہ اپنے قول کا پورا — کیا ہوا وعدۂ وفا لے کر

کچھ وہ سنتے نہیں کسی کی خیالؔ
کوئی کیا جائے التجا لے کر

آئے جو نا تجھ کو پڑے آنکھ یار پر — شیشہ بجائے سنگ ہو میرے مزار پر

محشر میں کچھ نہ داورِ محشر سے کہہ سکا ۔۔۔ رحم آ گیا تری نگہِ شرمسار پر

چتون تو کہہ رہی ہے وفا نام کو نہیں ۔۔۔ دل ٹے کوئی جو ہم کو کسی اعتبار پر

آیا شباب اب ہے مزہ ان کی دید کا ۔۔۔ گلزارِ حسن نامِ خدا ہے بہار پر

ہنستا ہے بے نواؤں کا سامان غیب سے ۔۔۔ جاروب کش صبا ہے ہمارے مزار پر

سمجھا نہ خاک کہ لگاوٹ میں ہو گی لاگ ۔۔۔ آتا ہے غصہ اس دلِ ناکردہ کار پر

مہتاب میں ہے داغ کہ مہتاب داغ میں ۔۔۔ پھبتی وہ کہہ رہے ہیں دلِ داغدار پر

آہ و فغاں رکی رہی نالے تھمے رہے ۔۔۔ قابو چلا نہ گریۂ بے اختیار پر

بولے وہ حال سن کے دلِ بیقرار کا ۔۔۔ رہتا نہیں زمانہ کبھی اک قرار پر

دن عمر کے گذرتے ہیں ابرو کی یاد میں ۔۔۔ کٹتی ہے زندگی مری خنجر کی دھار پر

بولے وہ حشر میں تجھے دعویٰ وفا کا تھا ۔۔۔ ہم نے ستم کئے تھے اسی اعتبار پر

قیس اپنی دھن میں ہے اسے اس کی خبر نہیں ۔۔۔ محمل میں کیا گذرتی ہے محمل سوار پر

دیکھا کچھ ایسے حال میں اک دوست کو وہاں ۔۔۔ روتے بہت ہم آج عدو کے مزار پر

اربابِ فیض کی کبھی یہاں قدر کچھ نہیں ۔۔۔ ڈھیلے پڑا کئے شجرِ میوہ دار پر

ہو مرغ نامہ بر کی مرے خیر یا خدا ۔۔۔ کیسے ہوا میں اڑتے ہیں یہ تین چار پر

مدت تک آسرا تھا بتوں کا مگر خیال  
اب تو لگی ہے رحمتِ پروردگار پر

---

لوٹ ہے دل گیسوئے دلدار[1] پر ۔۔۔ جان صدقے چاند سے رخسار پر

زلفِ مشکیں کھل پڑی رخسار پر ۔۔۔ چھا گئی کالی گھٹا گلزار پر

---

[1] خمدار ۔ (نخ)

مرحبا نکلی دہانِ[۱] زخم سے — خنجرِ قاتل کی ہر اک دار پر

در سے درباں جھانکنے دیتا نہیں — اور اگر میں چڑھ گیا دیوار پر

جی یہ کہتا ہے ترا منہ چوم لوں — پیاری پیاری شوخیٔ گفتار پر

ہے بڑا بول آفتوں کا سامنا — جان ہی منصور نے دی دار پر

اور بھی چھیڑا "نہیں" پر وصل میں — شوق دونا ہو گیا انکار پر

اپنا حالت کیا بتاؤں میں خیالؔ

دکھ پہ دکھ آزار ہیں آزار پر

---

رکا کیوں ہاتھ کیسی بے خودی چھائی یہ قاتل پر — وہ بیٹھا ہے چھری رکھے گلوئے نیم بسمل پر

وہ کہتے ہیں جنوں کے سر سے صدمہ ہوا دل پر — ترے نالے مجھے یاد آ گئے شورِ عنادل پر

چھری پھیری نگاہِ یاس نے کمبخت نے دل پر — رہے گا حشر تک قاتل کا یہ الزام بسمل پر

تمہیں دیکھا ہے جس نے اس کو اکثر ہو ہی جاتا ہے — تمہارے چاند سے چہرے کا دھوکا ماہِ کامل پر

خیالِ یار میں دن رات مجنوں وار پھرتا ہوں — جنوں ہے جب سے دل آیا ہے اک لیلیٰ شمائل پر

مصیبت میں ہے وہ نازک کلائی بارِ خنجر سے — غم اپنا کچھ نہیں، ہم کو تو رحم آتا ہے قاتل پر

نہ ہے طالع نہ ہے قسمت خط اس کا پھر کہاں آیا — کبھی رکھتا ہوں آنکھوں پر کبھی سر پر کبھی دل پر

بڑھی جب انتہا سے یاس تو دل چھوٹ جاتا ہے — نظر اٹھتی ہے اب مجنوں کی ناقے پر نہ محمل پر

سوالِ وصل پر تم گالیاں دینے لگے مجھ کو[۲] — بگڑتا ہے کوئی مردِ خدا، دنیا میں سائل پر

وہ کہتے ہیں خدا کی مار تجھ پر تو کہاں آیا — ترے دل کی اداسی چھا گئی محفل کی محفل پر

چڑھی ہیں آستینیں، ہاتھ میں خنجر چمکتا ہے — غضب کا بانکپن چھایا ہوا ہے آج قاتل پر

---

[۱] اصل: دہان (ف) [۲] اصل مجکو (ف)

جسے تم پردہ سمجھا ہے یہ دودِ آہ ہے مجنوں
ذرا آنکھیں جما کر دیکھنا لیلیٰ کے محمل پر

لڑانے کو میرے ناصح نے آخر میں یہ فرمایا
میاں، عاقل ہو تم الزام ہوتا ہے تو غافل پر

حیا ہے ان کو، رعبِ حسن مجھکو[1] گفتگو کیا ہو
یہ دشواری ہے دشواری پہ یہ مشکل ہے مشکل پر

بھلا ان پھول سے گالوں پہ کیا حاجت تھی غازہ کی
ہنسی آتی ہے مجھ کو آپ کی تحصیل حاصل پر

بلاغت اس غزل کی دیکھ کر منصف یہ کہتے ہیں
خیالِ خوش نوا کو فوق ہے سبحانِ وائل پر[2]

کہنے لگے بگڑ کے وہ شکوہ ستم پر
کس نے کہا تھا صاحب عاشق ہوں آپ ہم پر

رہ رہ کے تولتے ہو کیا خنجر دو دم کو
گردن پہ پھیر بھی دو اب آ بنی ہے دم پر

بھڑکے ہوئے ہیں شعلے سینے میں دل میں اپنے
آنکھ اس نے کیا لڑائی بجلی گرائی ہم پر

کیا خوفناک بستی ہے یہ مقامِ ہستی
اللہ ہی بچائے خطرہ ہے ہر قدم پر

پھیلا ہے نور اس کا سارے جہاں میں یکساں
اے کعبہ والو تم کو کیا ناز ہے حرم پر

جتنی بچی ہے دیدے جو مانگے لیلے ساقی
کم ظرف کی نگاہیں ہوتی ہیں بیش و کم پر

محفل میں بیٹھنے کی مل جاتی ہے اجازت
اتنی تو مہربانی ہونے لگی ہے ہم پر

جب تک تم آ نہ جاؤ جلوہ دکھا نہ جاؤ
ہے اعتبار کس کو اس قول اس قسم پر

اک بت نے میرے دل میں گھر کر لیا تو کیا ہے
آخر بتوں کا قبضہ اک روز تھا حرم پر

اس رہ گذر کا عالم کیا پوچھتا ہے ہمدم
لاکھوں مٹے ہوئے ہیں ہم سے قدم قدم پر

کیا شیخ کیا برہمن دونوں ہیں گھر کے عاشق
یہ دیر پر فدا ہے قربان وہ حرم پر

دیکھا ہے جب سے اس کو اتنے نڈھال کیوں ہو
خود رفتہ سے ہو خیال اب ہنستے تھے مجھکو[3] غم پر

---

۱؎ اصل مجکو (ف) ۲؎ عرب کا ایک فصیح خطیب (ف) ۳؎ اصل مجکو (ف)

کیا کیا ستم کئے ہیں اس بے وفا نے ہم پر
کافر ہوں اب جو عاشق ہم ہوں کسی صنم پر

کڑیاں کچھ ایسی جھیلیں ہم نے قدم قدم پر
رو رو دیئے ہیں چھالے راہِ طلب میں ہم پر

معشوق اور عاشق دونوں ہیں آن والے
ہم کو وفا کی ضد ہے وہ ہیں مُصر ستم پر

کردار ہوں جو اچھے دولت یہی بڑی ہے
بھولا ہوا ہے منعم کیا تو زر و درم پر

دشوار ہو نہ کیوں کر ملکِ عدم کی منزل
بارِ گناہ لے کر جاتے ہیں پشتِ خم پر

اے برہمن بتوں سے تو دل کی آس ٹوٹی
اب لَو لگی ہے اپنی اللہ کے کرم پر

کس کے یہ نقشِ پا ہیں کوئے عدو میں یا رب
سر جھک رہا ہے اپنا سجدے کو ہر قدم پر

یا رب یہ بات کیا ہے کچھ اس میں گھات کیا ہے
کیوں اس قدر عنایت ان کی ہے آج ہم پر

رندی و مے پرستی ہے تا بقائے ہستی
موقوف عیش و مستی خسرو پہ ہے نہ جم پر

کہتے ہیں مجھ سے دیکھو آئینے میں تو صورت
اللہ کی ہے قدرت عاشق ہوں آپ ہم پر

چلئے خیالؔ کو اب کچھ پڑھ کے بخش دیجے
تربت غریب کی ہے نزدیک، دو قدم پر

غضب ڈھایا ترے عاشق نے سرگرمِ فغاں ہو کر
ملا دو دِ جگر بھی آسماں سے آسماں ہو کر

رہوں میں انتظارِ یار میں کیا شادماں ہو کر
خبر آئی ہے آئیگا عدو بھی پاسباں ہو کر

بڑھا سکتا نہیں دل آفریں کہہ کہہ کے قاتل کا
دہانِ زخم کو رہنا یہی ہے بے زباں ہو کر

حیاتِ جاودانی نام ہے ترکِ تعلق کا
یہ سِن پایا خضر نے چشمِ مردم سے نہاں ہو کر

تم آئے مہربانی کی مگر دل مانگنا کیسا
کسی کا کوئی گھر لوٹتا ہے میہماں ہو کر

مری مٹی کو میرے بعد بھی یہ آرزو ہوگی
ترے ہی آستاں پر رہئے گردِ آستاں ہو کر

خفا آئے خفا بیٹھے خفا اٹھے خوشی کیا ہو
وہ آئے خندہ پیشانی وہ ملتے شادماں ہو کر

نہ رہنا ہے جفاؤں کا نہ اندیشہ بلاؤں کا
نشانِ راحتِ جاوید پایا بے نشاں ہو کر

یہ کیسی بدگمانی ہے یہ کیا نامہربانی ہے
مری تصویر بھی وہ دیکھتے ہیں سرگراں ہو کر

وہ کہتے ہیں گئیں بچپن کی باتیں ساتھ بچپن کے — کیا ہے قول پورا کس حسیں نے نوجواں ہو کر

ترے زخمی کرینگے حشر میں فریاد جب قاتل — گواہی دے گا تیرے تیر کا پیکاں زباں ہو کر

رقابت مجھ سے کی رسوائیوں کو میری شہرت دی — ڈبویا مجھ کو میرے رازداں نے رازداں ہو کر

الٰہی وہ بھی کیا دن تھے کہ دونوں آتے جاتے تھے — کبھی تم میہماں ہو کر کبھی ہم میہماں ہو کر

خیال اچھی غزل لکھی حسن نے جس کا مصرع ہے

"شب فرقت کا ڈر چھایا ہے سر پر آسماں ہو کر"

کدورت دل کی آئی ہے زباں پر — زمیں کی خاک پہنچی آسماں پر

نگاہ اس کی جو آئی امتحاں پر — سناں کیا کیا لگائی ہے سناں پر

بہار آتے ہی کب سمجھی تھی بلبل — کہ بجلی گر پڑے گی آشیاں پر

انھیں اپنی مصیبت کیا سناؤں — وہ ہنس دیتے ہیں غم کی داستاں پر

مجھے ٹھکرا کے وہ کہتا کسی کا — ترا کیا کام میرے آستاں پر

کیا کس کی نگہ نے اس کو بیتاب — تڑپتی کیوں ہے بجلی آسماں پر

کہوں کیا؟ ہے وہ رعب حسن اس کا — کہ قابو ہی نہیں رہتا زباں پر

ابھی برہم نہ ہو میری بھی سن لو — نہ جاؤ حرف دشمن کے بیاں پر

ہزاروں جانیں اک جلوے کے قرباں — وہ آمادہ کبھی تو ہوں امتحاں پر

کوئی میرے سوا آیا نہیں ہے — خفا کیوں ہو رہے ہو پاسباں پر

کیا مانو نہ پوچھو حال فرقت — کہیں تم رو نہ دو اس داستاں پر

ہماری زندگی ہے آپ کے ہاتھ — نہیں مرتے ہیں جیتے ہیں ہاں پر

سبو و خم دونوں ہی پیالے ہیں یکساں — نظر ایک اپنی ہے خرد و کلاں پر

اسی ظالم سے خو ملتی ہے اس کی — مجھے پیار آرہا ہے آسماں پر

خیال ان روز دن ڈورے ڈالتے ہیں
کسی بانکے نکیلے نوجواں پر

جانا یہ میں نے آ کے ترے آستان پر — ترجیح کچھ زمیں کو ہے آسمان پر

بگڑے ہزار ان سے بنی لاکھ جان پر — صد شکر ایک جلوہ نہ آیا زبان پر

جو لطف اٹھائے پیر مغاں کی دکان پر — جی جانتا ہے لا نہیں سکتے زبان پر

کیوں کر اسے گھمنڈ نہ ہو اپنی شان پر — اس حسن اس جمال پر اس آن بان پر

ایسا نہ ہو کہ بھیس بدل کر ہم آئے ہوں — ملتے نہیں رقیب سے وہ اس گمان پر

ہوتا ہے دل فریب سر آغاز عشق کا — لیکن اخیر یہ ہے کہ بنتی ہے جان پر

ایجاد ہو رہی ہیں جفائیں نئی نئی — اب وہ تلے ہوئے ہیں مرے امتحان پر

ترکیب یہ نئی تھی اٹھانے کی بزم سے — بولے چلو ہم آئے تمہارے مکان پر

میرا سوالِ وصل کو سن کر وہ بول اٹھے — فرمائشیں بھی ہونے لگیں میہمان پر

رسوا ہوئے ذلیل ہوئے خوار ہو گئے — پھر بھی دھونی[۱] دیئے ہیں ترے آستان پر

آئے کبھی وہ بھی جو عیادت کے واسطے — آیا کبھی نہ حرفِ تسلی زبان پر

الجھا رقیب اُن سے وہ مجھ پر برس پڑے — بگڑی تو کس سے اور بنی کس کی جان پر

نالوں سے میرے دیر و حرم چیخ چیخ اُٹھے — جوں بھی نہ رینگی اس بُت کافر کے کان پر

آتا ہے تیر یار چھڑانے کو دل کی پھانس — سو جان سے نثار ہم اس میہمان پر

کہہ کہہ کے چاند چاند سا چمکا دیا انہیں — ان کا مزاج کیوں نہ ہے آسمان پر

آخر تک امتحان میں ثابت قدم رہا — جانباز عشق کھیل گیا اپنی جان پر

پھبکے ہیں مہر و ماہ ملیحانِ ارض سے — بیجا فلک کو ناز ہے اونچی دکان پر

---

[۱] بمعنی جم کر بیٹھنا (فیروز اللغات) (ف)

کیا خوش ہوں میں حسن کے وعدۂ فردا کے اعتماد
اس دل کے صبر پہ ہے نہ ان کی زبان پر

کیسا وہ معتبری ہے یہ تم جانتے نہیں
ناحق خفا ہو مجھ سے عدو کے بیان پر

اس شوخ کی بگاڑ سے اللہ کی پناہ
جس کا بناؤ دیکھ کے بنتی ہے جان پر

کیا جانتے ہیں ایک ہمیں تم کو بے وفا
یہ راز آشکار ہے سارے جہان پر

آتے ہی ان کے شکووں کی بوچھاڑ اے خیالؔ
بے ڈھب ہو تم برسنے لگے میہمان پر

دل گیا ہاتھ سے جب آ گیا اس چشم پُرفن پر
لگاوٹ ناوک تھی دھوکا ہوا رہبر کا رہزن پر

تہ زلفِ پریشاں بل جو دیکھا ان کی چتون پر
نئی اک اور الجھن بڑھ گئی اس دل کے الجھن پر

تنی ہے کیوں بھویں، کہئے تو، کیوں غصہ ہے[1] چتون پر
کھنچی ہیں دوہری تلواریں چلیں گی کس کی گردن پر

گلوں کو توڑ کر گلچیں نے دامن بھر لیا اپنا
عنادل شور اب[2] کرتے رہیں دیوارِ گلشن پر

کہا جب سوزِ شوقِ دید وہ چلمن سے بول اٹھے
ترے دل میں لگی ہوتی تو آنچ آ جاتی چلمن پر

نتیجہ ہے یہی چوری چھپے کے کام کا واعظ
جو پی گھبرا کے آخر گر گئی تھوڑی سی دامن پر

کہے کیا مدعا کوئی کرے کیا التجا کوئی
بھرے[3] بیٹھے ہیں وہ غصہ دھرا رہتا ہے چتون پر

خوشی سے کیا دیا تھا دل کہ اپنا حق جتائیں ہم
کسی کو لوٹ لے رہزن تو کیا احسان رہزن پر

ہوئی یہ وہ خلل دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے
مرا دشمن ہے دل قرباں ہوں میں دل کے دشمن پر

نگاہِ گرم سے اس نے جگر دل سب جلا ڈالا
لگا دی آگ خرمن میں گرا کر برق خرمن پر

خدا کی دین ہے اخلاص کی دولت وہ جس کو دے
کرم اس کا نہیں موقوف کچھ شیخ و برہمن پر

کہاں کے پھول کیسی شمع، کس کو سوگ بیکس کا
کبھی گرد آ کے اک چادر چڑھا جاتی ہے مدفن پر

نظر صیاد کی رہ رہ کے اٹھتی ہے اسی جانب
گرا ہی چاہتی ہے اب کوئی بجلی نشیمن پر

---

[1] آثار ہیں غصے کے (ح) [2] کرتے رہ گئے (ح) [3] بیٹھے ہیں وہ غصہ دھرا رکھا ہے (ح)

جو ظاہر بیں ہیں کیا جانیں وہ حالت زخمِ پنہاں کی
کہ تیغِ عشق تو پڑتی نہیں کچھ دوش و گردن پر

جھڑی بارھوں مہینے رہتی ہے اس دیدۂ تر کی
نہیں یہ منحصر اے ابر! بھادوں اور ساون پر

بڑھی مشقِ تصوّر دل میں اُس کو دیکھ لیتا ہوں
نظر رہتی ہے اب در پر نہ کھڑکی پر نہ روزن پر

پہن لے سُرخ جوڑا کوئی کہہ دیتا یہ قاتل سے
لہو اُڑ کے پڑے بھی تو نظر آئے نہ دامن پر

بہانا ہے کہ سیلِ اشک تربت کو بہا دے گی
کبھی آتے نہیں وہ فاتحہ پڑھنے کو مدفن پر

کشاکش میں امید و یاس کی کب تک ہوں ظالم
نگاہِ لطف کر یا پھیر دے تلوار گردن پر

دمِ آخر بڑھی ایک اور حسرت دل میں بسمل کے
کہ دھو سکتا نہیں جو داغ ہیں قاتل کے دامن پر

محبت میں خموشی بھی رہا کرتی ہے حیرت بھی
وجودِ غم نہیں موقوف کچھ فریاد و شیون پر

خیال اس شہسوارِ ناز کا پابوس مشکل ہے
جبیں سائی کیا کرتے ہیں نقشِ نعلِ توسن پر

بہار آئی ہے گلشن میں گھٹا چھائی ہے گلشن پر
زمیں پر کیسا جوبن ہے فلک ہے کیا ہی جوبن پر

بھٹکتی تھی نظر صیاد کی شاخِ نشیمن پر
گرائی چیخ کر بلبل نے بجلی[1] اپنے خرمن پر

یہ ہے شانِ وفا اس خوف سے تڑپا نہیں بسمل
لہو اڑ کر نہ پڑ جائے کہیں قاتل کے دامن پر

فروزاں تھے ہزاروں جھاڑ جن کے قصرِ شاہی میں
فقط جلتا ہے اب دل بیکسی کا ان کے مدفن پر

اُدھر حسنِ جہاں سوز اس طرف سوزِ تمنا ہے
دو طرفہ آگ آفت لائے گی اک روز چلمن پر

جسے دل دار سمجھے تھے وہی دل کا عدو نکلا
شریفِ کعبہ کا دھوکا ہوا طفلِ برہمن پر

پھنسایا دل نے آفت میں ڈبویا دیدہ تر نے
یہ حالت ہو جب اپنوں کی تو کیا الزام دشمن پر

کبھی تھا اتحاد ایسا کہ لاکھوں رشک کرتے تھے
تعجب ہے اب اک عالم کو میری انکی ان بن پر

گئے تھے بزمِ دشمن میں ہوا کیا ہم سے تو کہئے
جبیں پر کیوں شکن ہیں بل پڑے ہیں کیسے چتون پر

---

[1] برق آپ اپنے : بجلی مجھکو (نخ)

دلِ پُر داغ سے ٹلتی نہیں یاد ان کی زلفوں کی | گھٹا چھائی ہوئی رہتی ہے ہر وقت اپنے گلشن پر
دکھا کر وہ شفق، شوخی تو دیکھو مجھ سے کہتے ہیں | ترے خوں گشتہ دل کا خون ہے گردوں کی گردن پر
ترے ہاتھوں یہاں تو دل پر اِک ناہاٹ رہتا ہے | قیامت میں یہی ہوگا ستمگر تیرے دامن پر
کچھ ایسی بے خودی ہے بلبلوں کو جلوۂ گل سے | سب اپنے نغمے بھولے بیٹھے ہیں شاخِ نشیمن پر
تمنا ہے مدینے میں بنے یارب مزار اپنا | غبارِ آستانِ پاک کی چادر ہو مدفن پر
نشانِ امتیازی عشق میں حیرت سے موتی ہے | نہ جاؤ بوالہوس کے نالۂ و فریاد و شیون پر
دکھایا ہے یہ ادنیٰ سا تصرف خونِ بسمل نے | کھلایا ہے تر و تازہ چمن قاتل کے دامن پر
کوئی ہم جنس ملتا ہے تو الفت ہو ہی جاتی ہے | دلِ پرفن بھی، ناصح، آگیا اس شوخ پرفن پر
یہ کیا آنا تھا کیا جانا ابھی تم اترے توسن سے | قدم لوں جب تلک آکر اڑ کے پہنچے پشت توسن پہ
کہو تخس کم جہاں پاک" اٹھ گیا وہ اسکو جانے دو | تم اٹھے کہیں جو اور اُٹھے کیسے یاروں نے دشمن پر
مری مژگاں پر آنسو دیکھ کر پوچھا یہ ظالم نے | رفو کرنا ہے کس کے دل کو رکھ کر آب سوزن پر
سلیقہ میکشی کا آتے آتے آئے گا واعظ | گرے گی پھر مصلّے پر نہ داڑھی پر نہ دامن پر
شہیدانِ ستم کے خون کا دھبّہ نہ جائے گا | شفق بن کر رہے گا حشر تک گردوں کی گردن پر

امیر و داغ کے احساں بہت فنِ سخن پر ہیں
خیالؔ اللہ کی رحمت ہو ان دونوں کی مدفن پر

ہم تو نہ جائیں گے درِ جانانہ چھوڑ کر | جاتا ہے برہمن کہیں بُت خانہ چھوڑ کر
بُجھتی ہے توبہ خوفِ شماتت سے ورنہ دل | بیچارہ ہے مشربِ رندانہ چھوڑ کر
ساقی ہمارے ساتھ تکلف فضول ہے | کم ظرفی سے پلا نہ دے پیمانہ چھوڑ کر
بولے وہ قصہ خواں سے میری داستاں پہ | کچھ اور ذکر چھیڑ یہ افسانہ چھوڑ کر

---

لہ اصل مجھسے (ف)

جنّت کی آرزو میں ہے کون حشر تک — واعظ یہ عیش و عشرتِ میخانہ چھوڑ کر

جاتا کہاں یگانہ سمجھتا اگر مجھے — بیگانے کو گیا دلِ بیگانہ چھوڑ کر

اے سیلِ اشک تو ہو جہاں کوئی گھر کہاں — اپنا گذر کہیں نہیں ویرانہ چھوڑ کر

آئے جو پیشِ میکدہ دو چار معتقد — بھاگا ہے شیخ سبحۂ صد دانہ چھوڑ کر

دیوانہ ہوں تو چاہیے تنہا نہ رہنے دو — جاتے ہو تم کہاں اب مجھے دیوانہ چھوڑ کر

مسجد میں بھی تو اہلِ ریا کی کمی نہیں — ناحق ہم آئے صحبتِ بت خانہ چھوڑ کر

اب محتسب سے رند چکا لیں معاملہ — ساقی الگ ہوائے و میخانہ چھوڑ کر

گھبرا رہی ہے سینۂ ویراں میں آرزو — جاتی نہیں وہ پھر بھی تو ویرانہ چھوڑ کر

لے چل جو لے چلا ہے مجھے پھر وہاں مگر — وہ چھیڑ چھاڑ اے دلِ دیوانہ چھوڑ کر

گوشے میں جا چھپا جو ہوا تیز ہو گئی — بھاگا نہ دیکھو شمع کو پروانہ چھوڑ کر

پھر جا رہے ہیں آج وہیں حضرتِ خیال
کل توبہ کی تھی آئے تھے میخانہ چھوڑ کر

---

وہ لطف نہ وہ حرفِ حکایات کا انداز — کچھ اور ہے اب اُن کی ملاقات کا انداز

عاشق سے کہاں لطف و مدارات کا انداز — مخصوص ہے غیروں سے عنایات کا انداز

کیا لطف سے کہا تو نے تصنّع سے کہا کیا — ملتا ہی نہیں تیری کسی بات کا انداز

ہوش اڑتے ہیں رکھتے ہی قدم اُن کی گلی میں — بالکل نظر آتا ہے طلسمات کا انداز

دنیا سے الگ رہتے ہیں دنیا ہی میں رہ کر — کیا خوب ہے رندانِ خرابات کا انداز

ظالم کی طبیعت میں تلوّن کبھی ہے ضد کبھی — کہتا تھا یہ پہلی ہی ملاقات کا انداز

میخانے کے پاس آ کے بسے حضرتِ زاہد — معلوم ہوا قبلۂ حاجات کا انداز

کب تک کوئی جھڑکی سہے کتنا کوئی غم کھائے — ہر چیز کی مقدار ہے ہر بات کا انداز

نیرنگیِ فرقت[۱] نے دکھایا ہے نیا رنگ | دن کی کئی صورت ہے نیا رات کا انداز
ہر لفظ میں کچھ طنز ہے ہر بات میں کچھ چوٹ | اچھا نہیں یہ حرف و حکایات کا انداز
ہو کوئی بھی موسم مگر اشکوں کی جھڑی ہے | رہتا ہے میرے گھر بھری برسات کا انداز
عنوانِ بیاں سے بھی نکلتے ہیں بہت کام | قاصد تجھے آتا ہی نہیں بات کا انداز
تیرا بھی طریقہ ہے غنیمت مگر اے شیخ | کچھ اور ہی ہے پیر خرابات کا انداز
آفت ہے تیرا حُسن پھر اس پر ہے قیامت | یہ ناز کا غمزے کا اشارات کا انداز
معشوق سے اتنی بھی نہیں عاجزی اچھی | باتوں سے ٹپکتا ہو مناجات کا انداز
تلوار تو کھچتی نہیں کیا وار کرو گے | دھمکی نہ دو معلوم ہو ابات کا انداز
دل لیکے دیا کرتے ہیں وہ حُسن کا صدقہ | دنیا سے نرالا ہے یہ خیرات کا انداز
ہر بات پر اب تم جو الجھ پڑتے ہو ناحق | ہم سمجھے یہ ہے ترک ملاقات کا انداز
دل بول اٹھا دیکھ کے وہ زلفِ پریشاں | کیا خوب ہے یہ تاروں بھری رات کا انداز
ہم کہتے نہ تھے غیر کی باتوں میں ہیں گھاتیں | اب کھل نہ گیا دیکھیئے بدذات کا انداز
فرمائیش سوغات ہو ایسی جو ہو ممکن | کر لیجئے پہلے میری اوقات کا انداز
میخانے میں ہر رند سے برتاؤ[۲] ہے یکساں | اسلام کی یہ ہے شانِ مساوات کا انداز
ہوتا ہے کبھی دیر میں بھی ولولۂ عشق | اکثر ہے مگر مرگِ مفاجات کا انداز

پہلو میں تمہیں اپنے خیالؔ اس نے بٹھایا
کیا چاہتے ہو اور مدارات کا انداز

---

۱ قسمت، الفت (ج) ۲ کی ہوتی ہے تواضع (ج)

ہوا یہ حال تیرے مبتلا کا زار افسوس — عدو بھی دیکھ کے کرتے ہیں بار بار افسوس

خزاں کے آتے ہی صیاد نے اسیر کیا — چمن کے دیکھنے پائے نہ ہم بہار افسوس

رقیب سے تو سر بزم اشارہ بازی ہو — نگاہ تک نہ ادھر تم کرو ہزار افسوس

یہی ہے تو ہے پایانِ عمر میں ہونا — ہم ابتدا میں نہ سوچے مآل کار افسوس

دعا کا میری طرف سے گمان ہے صد حیف — میری وفا کا نہ ہو تم کو اعتبار افسوس

جو شوق وصل جتایا زبان قطع ہوئی — چھوئی مژہ تو ہوئے مستحق دار افسوس

رقیب کو اثر جذب دل دکھا نہ سکے — تیری حیا نے کیا مجکو شرمسار افسوس

وہ دن گئے کہ جب آہوں کا شور رہتا تھا — محال جنبشِ لب بھی ہے اب ہزار افسوس

نہ پوچھو عشق میں کیا انقلاب ہوتے ہیں — ہوا ہے دشمنِ جاں دل سا غمگسار افسوس

ہزاروں شمعیں فروزاں تھیں جن کے محلوں میں — اندھیرے میں وہ پڑے ہیں تہِ مزار افسوس

خیال عشق سے باز آوں کیا بقولِ کلیم
کہ رفتہ است ز دست من اختیار افسوس

مریض اس پر کمال ہے یہی بس — زندگی کا مآل ہے یہی بس

اپنی تصویر دیکھ کر بولے — حسن میں بے مثال ہے یہی بس

مرگ دشمن سے تم ملول ہوئے — میرے دل کو ملال ہے یہی بس

عشق سب کو خدا نصیب کرے — دولتِ لازوال ہے یہی بس

خوبرو کوئی باد فا مل جائے — اندنوں دیکھ بھال ہے یہی بس

میں ہوں قابل نہ تو ہو اے واعظ — حاصلِ قیل و قال ہے یہی بس

دل سی دنیا میں کوئی چیز نہیں — ایک انمول مال ہے یہی بس

دل کی غارت گری دل آزاری — شانِ حسن و جمال ہے یہی بس

حال کہنے کا مجھ میں حال نہیں　　دیکھ لو حال حال ہے یہی بس

پھیر دو پھیر دو ہمارا دل　　یہی تم سے سوال ہے یہی بس

بولے سن کر خیالؔ کے اشعار

شاعر خوش خیال ہے یہی بس

ادا سے لے کے دل وہ خوش ادا[1] خوش　　دل اس کے پاس اُس سے بھی سوا خوش

خدا خوش ہو رہے مجھ سے خدا خوش　　نہیں پروا کوئی ناخوش ہو یا خوش

دل اُس کے در پہ لا کر ہو گیا خوش　　لب ساحل ہو جیسے ناخدا خوش

جو پوچھا اب تو مجھ سے خوش ہو بولے　　ارے[2] تجھ سے نہ ہو میری بلا خوش

رضا خواہ اس کے ہر حالت میں خوش ہیں　　نہیں رہتے مصیبت میں بھی ناخوش

خوشی دنیا کی دنیا کو مبارک　　ہیں اپنے غم سے ہم غم آشنا خوش

بدلتے رہتے ہیں رنگ اس جہاں کے　　دو روزہ عیش پر منعم ہے کیا خوش

حسینوں کے تلوّن کو نہ پوچھو　　ابھی خوش اور دم بھر میں ناخوش

تری آزردگی سے دل تھا غمگیں　　جو تو خوش خوش ملا جی ہو گیا خوش

کبھی عشرت کبھی عسرت یہاں ہے　　ہمیشہ کون دنیا میں رہا خوش

خدا رکھے تمہیں خوش حال خوش دل　　ہمارا کیا رہے ہم خوش کہ ناخوش

خیالؔ آساں نہیں یہ میرؔ کا رنگ

ترے اشعار سے جی ہو گیا خوش

ہوئی اکثر ہماری آزمائش　　کبھی ہو غیر کی بھی آزمائش

بہانا ہے وفا کے امتحاں کا　　ستم کی تو ہے کیسی آزمائش

---

[1] دلربا (نخ)　[2] کبھی (نخ)

ہزاروں کو ہے جاں بازی کا دعویٰ — کریں وہ کس کی کس کی آزمائش

جو پوچھا اس قدر بیداد کیا تھی — وہ بولے اور کیا تھی آزمائش
عدو کے گھر بلا بھیجا ہے اس نے — نکالی ہے یہ اچھی آزمائش
صلہ ملتا نہیں کچھ امتحاں کا — وہاں ہوتی ہے خالی[1] آزمائش

وہ ہم کو آزماتے ہیں ہم ان کو — اُدھر بھی ہے اِدھر بھی آزمائش
نہ ہوگی دور اس کی بدگمانی — قیامت تک رہے گی آزمائش
ہماری جان جوکھم میں پڑی ہے — معاذ اللہ ایسی آزمائش
کبھی وہ سر چڑھا کر دیکھتے ہیں — ہوا کرتی ہے یوں بھی آزمائش
مجھے ہر طرح اس نے آزمایا — اُٹھا رکھی ہے کوئی آزمائش
وہاں[2] کرتا ہے فریادِ ستم کون — قیامت میں یہ ہوگی آزمائش
نہ چھوٹی جان اس[3] سے مرتے دم تک — ہوا کی کیسی کیسی آزمائش

خیال اس طرح میں لکھے جو اشعار
یہ زورِ طبع کی تھی آزمائش

---

غیر سے آمد و شد مجھ[4] سے جتانا اخلاص — جائیے جائیے کس کام کا ایسا اخلاص
اب وہ تم ہو نہ تمہارا وہ خلوص اب باقی — ہم وہی ہیں وہی اب تک ہے ہمارا اخلاص
بھیس ناصح کا بدل کر انہیں میں کہہ آیا — کسی کم ظرف سے ہرگز نہ بڑھانا اخلاص
تم ہو مخلص یہ کسی اور کو دھوکا دینا — خوب معلوم ہے یاروں کو تمہارا اخلاص
اب وہ اظہارِ اطاعت ہے نہ وہ عرضِ نیاز — چار دن کے لئے تھا غیر کا سارا اخلاص

---

[1] "خالی" کی سند کے لئے ردیف "ب" کا فٹ نوٹ دیکھو (خ) [2] نہیں (خ) [3] اپنی (خ)
[4] اصل مجھے (ف)

کر کے اقرارِ خلوص آنکھ چرانی کیسی / دل میں ہوتا تو نگاہوں سے ٹپکتا اخلاص

اس سے طاعت کا مزہ اس سے عبادت کا ہے لطف / دے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ اخلاص

شیخ جی سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل / کہ مریدوں کا بڑھے آپ سے دونا اخلاص

وہ جہاں جاتے ہیں پڑ جاتی ہے نفسی نفسی / دوست کا دوست ہے باقی نہیں رہتا اخلاص

تنگ آکر وہ شبِ وصل کسی کا کہنا / یہ انوکھی ہے محبت یہ نرالا اخلاص

غیر کے دعویٰ باطل کی حمایت کیوں ہے / آزمایا ہے کبھی آپ نے اس کا اخلاص

ہوتے ہیں اہلِ ہوس اپنی ہوس کے بندے / بخدا ایک کے دل میں بھی نہ پایا اخلاص

اب نہ پہچانو تو حیرت ہے وہی ہے یہ خیال
بارہا جس کو جتاتے تھے تم اپنا اخلاص

دل سے مطلب ان کو دل کے مدعا سے کیا غرض / آشنا سے کام ہے نا آشنا سے کیا غرض

کیا عمل تیرا ہے تو کیسا ہے لے اپنی خبر / مجھ کو واعظ[1] مجھ سے میری ابتلا سے کیا غرض

نام میرا جب کوئی لیتا ہے ان کے سامنے / کہتے ہیں جھنجلا کے مجھ کو اس بلا سے کیا غرض

دردمندِ عشق کو ہے عشق کی لذت سے کام / چارہ گر سے کیا غرض دار الشفا سے کیا غرض

آئینہ کیا داد دے گا اس طرف رُخ کیجیے / آئینے کے سامنے ناز و ادا سے کیا غرض

بوالہوس کی طرح عاشق خودستا ہوتا نہیں / ہے وفا سے کام اظہارِ وفا سے کیا غرض

میکشی سے توبہ کر کے کیا مزہ برسات کا / اب گھٹا سے کیا غرض ٹھنڈی ہوا سے کیا غرض

سر برہنہ سینہ عریاں، اپنی دھن میں ہیں مگن / ان کے دیوانوں کو دستار و ردا سے کیا غرض

اے صبا تجھ کو مبارک آمدِ فصلِ بہار / ہم اسیروں کو گلستاں کی فضا سے کیا غرض

بس کر اے ناصح نصیحت اور وحشت بڑھ گئی / جس دوا سے ہو ضرر ایسی دوا سے کیا غرض

---

[1] اصل مجھے (ف)

مہرباں ہو کر وہ تُم سے شکر کرنا چاہیے
وصل کی شب شکوۂ جور و جفا سے کیا غرض

یہ سمجھنا اس کی چتون سے کوئی آساں نہیں
کس ادا سے کیا غرض ہے کس ادا سے کیا غرض

ان سے کچھ کہنا عبث ہے وہ نہ مانیں گے خیالؔ
مدّعا حاصل نہ ہو تو التجا سے کیا غرض

---

معشوق سے شکایتِ جور و جفا غلط
دعویٰ وفا کا اور پھر اس پر گلا غلط

یہ کیا ضرور اب کے کبھی وعدہ وفا نہ ہو
ہر چند اس کے وعدے ہوئے بارہا غلط

وہ سُن کے شکوۂ ستم اس طرح ہنس پڑے
جیسے یہ بات جھوٹ ہو یہ ماجرا غلط

ہاں ہاں کبھی نہیں گئے تم بزمِ غیر میں
لوگوں نے خواب دیکھ لیا، کہہ دیا غلط

کل سے کچھ اور آج طبیعت نڈھال ہے
تشخیص چارہ گر کی غلط تھی دوا غلط

اُڑتی سی کچھ سنی تو ہے آج اُن کے آنے کی
اللہ کو خبر یہ خبر سچ ہے یا غلط

بس بس نہ جھوٹی باتیں زیادہ بنائیے
عذرِ ستم دروغ ہے شکرِ وفا غلط

تدبیر اُلٹی شومیٔ تقدیر سے ہوئی
منصوبہ اپنے دل میں جو باندھا بندھا غلط

جو ہو ریا سے زہد و عبادت وہ نادرست
روزہ غلط، نماز غلط، اتّقا غلط

میں نے تو سچ سچ اپنی مصیبت بیان کی
وہ میرے لفظ لفظ یہ کہتا رہا غلط

اگلا سا التفات تمہارا نہیں رہا
خود اپنے دل سے پوچھ لو یہ سچ ہے یا غلط

اس دل کی پیروی میں تباہی ہوئی نصیب
افسوس انتخاب کیا رہنما غلط

ارشاد حرف حرف تمہارا بجا درست
جو کچھ میرا بیان وہ سب ناروا غلط

کب وہ کسی کے سنتے ہیں کیوں ان سے کچھ کہوں
عرضِ وفا فضول سوالِ وفا غلط

قاصد کی بات بات پر ایمان ہے میرا
کوئی بتائے اس نے کبھی کچھ کہا غلط

اس خط سے تم سمجھ لو میرے اضطراب کو
مطلب الگ ہے خبط عبارت جدا غلط

انجام کیا درست ہو اُس کام کا خیال
بے سوچے سمجھے جس کی ہوئی ابتدا غلط

---

ہجو مے ہوگی تا کجا واعظ
ذکر حق بھی تو ہو ذرا واعظ

تجھ کو میری پڑی ہے کیا واعظ
سوچ اپنا بُرا بھلا واعظ

رات میخانے میں یہی تو نہ تھا
کچھ تو ہے صورت آشنا واعظ

دیکھ غیبت نہ کر سرِ ممبر
دُخترِ رز کو نہ کہہ بُرا واعظ

بکتے بکتے دماغ چاٹ گیا
آدمی تو ہے یا بلا واعظ

میں نے مانا بُرا ہے ترکِ صلوٰۃ
بدتر اس سے بھی ہے ریا واعظ

تیری باتوں کا ماحصل ہے یہی
کہ بس اک تو ہے پارسا واعظ

تجھ کو اعمال پر بھروسا ہے
مجکو رحمت کا آسرا واعظ

ظاہری حال پر کسی کے نہ جا
ہو حقیقت سے آشنا واعظ

تلخیِ مے کی کیا خبر تجھ کو[۱]
کبھی چکھی ہے تو نے کیا واعظ

کوئی تقریر دل نشیں نہ سُنی
واعظ تیرا بہت سنا واعظ

درِ پیر مغاں کی چاٹ لے خاک
کیمیا ہے یہ کیمیا واعظ

سر نوشتِ ازل نہ بدلے گی
فائدہ کیا ہے وعظ کا واعظ

کبھی کہتے ہوئے کسی کو بُرا
اچھے لوگوں کو بھی سنا واعظ

تو ہی کہہ کوئی بھی جوانی میں
سوچتا ہے برا بھلا واعظ

---

[۱] اصل تجکو (ف)

جس کی رحمت کا ذکر تو نے کیا — ہم کو ہے اس کا آسرا واعظ

ہوں گناہوں سے اپنے شرمندہ — شرم رکھ لے مری خدا واعظ

سوئے میخانہ کون آتا ہے

کون ہے یہ خیالؔ یا واعظ

---

غرض مطلب کے لئے چاہیے ملتا موقع — نہیں ملتا نہیں ملتا کوئی ایسا موقع

دل کا اصرار ابھی اپنی تمنّا کہئے — عقل کہتی ہے بھری بزم میں ہے کیا موقع

عید کا دن ہے آج ابر ہوا بھی زاہد — آگیا خیر سے توبہ شکنی کا موقع

اور باتیں کوئی اس پردہ کی کیسی — لن ترانی کے بھی سننے کا نہ آیا موقع

کبھی میں خادمِ میخانہ کبھی راہبِ دیر — مصلحت جیسی ہوئی جب ہوا جیسا موقع

غیر جب بکتے تو نہ دینا تھا میرا نام اسے — چوک تجھ سے ہوئی قاصد کہ نہ دیکھا موقع

فرصتِ عہدِ جوانی گئی بیکار افسوس — ہاتھ سے کام کا آیا ہوا کھویا موقع

بے محل بات سے انسان سبک ہوتا ہے — گفتگو کے لئے لازم ہے کہ ہو یا موقع

داد خواہی کو نہیں منتظرِ حشر خیالؔ

غرض اتنی ہے کہ دیدار کا ہو گا موقع

---

دولتِ دیدار سے دل ہو گیا یوں باغ باغ — جس طرح منعم سے زر پا کر ہو سائل باغ باغ

لوٹنا آخر پڑا کانٹوں پہ آخر عشق میں — اوّل اوّل تو چلے ہم چند منزل باغ باغ

---

۵ داعنا شہر دغ م

ان کے آنے سے ہوا بزم عزا کا اور رنگ — دل شگفتہ ہو گئے محفل کی محفل باغ باغ

میں یہاں اس کلبۂ احزاں میں گریاں زار زار — وہ وہاں گلگشت میں غیروں کے شامل باغ باغ

دکھ وہ مجھ کو[1] سناتے ہیں دعا دل دے گا یہی — یا الٰہی وہ بھی ہے خوش حال خوش دل باغ باغ

اف رے نادانی دل اس کو جان کر پیماں شکن — ہو گیا سن کر وفا کا عہد باطل باغ باغ

رقص بسمل سے وہ خوش دیدار قاتل سے یہ شاد — اس طرف مائل ادھر ہے اس کا بسمل باغ باغ

ہے بہارِ گلشنِ عالم سراسر بے ثبات — اس دو روزہ عیش پر کیا تو ہے غافل باغ باغ

اس گل رعنا کا اب تک کچھ نشاں پایا نہیں — چھان مارا ہم نے گو منزل بہ منزل باغ باغ

مرگ عاشق کی خبر سن کر وہ بولے طنز سے — ہو گی اب سیر جناں حوروں کی شامل باغ باغ

حق میں اعدا کے کبھی میں کانٹے نہیں بوتا خیالؔ
چاہتا ہوں دوست دشمن سب کے ہوں دل باغ باغ

---

ہے میلے تیور دل سے یہ عیاں صاف — کہ تیرا دل نہیں ہے بدگماں صاف

بظاہر ہو گیا وہ بدگماں صاف — مگر دل کی جو پوچھو دل کہاں صاف

وہ گھر جانے کو ہیں جب ابر کھل جائے — نہ ہو وہ دن تو یارب آسماں صاف

عبث رک رک کے باتیں کر رہے ہو — جو ہو دل میں اسے کر دو بیاں صاف

نہیں کچھ قول کا اس کے ٹھکانا — مکر جاتا ہے وہ دے کر زباں صاف

صفائی سے "نہیں" کرتے ہو اکثر — ذرا اک بار یونہی کہہ دو "ہاں" صاف

خیالؔ اشعار کی خوبی یہی ہے
زباں ستھری ہو اندازِ بیاں صاف

---

[1] اصل: مجکو۔ ف ۲ نہ (خ)

کیا فراموش ہو تمہارا عشق — عشق اور ایسا پیارا پیارا عشق

نہ رہے گا اثر دکھائے بغیر — بندہ پرور یہ ہے ہمارا عشق

بوالہوس امتحاں میں بھاگ گیا — طاق پر رہ گیا وہ سارا عشق

راحتِ جاں سرورِ دل تو ہے — میری آنکھوں کا تو ہے تارا عشق

کون دیتا ہے ساتھ غربت میں — میں ہوں اور اک تیرا پیارا عشق

مر مٹے ہم مگر زمانے کو — اک سبق ہو گیا ہمارا عشق

حُسن ہے اک آگ دنیا میں — اور اس آگ کا شرارا عشق

روز لاتا ہے اک نئی آفت — ہائے یہ آفتوں کا مارا عشق

کہتے ہیں وہ کہ میں کروں کیوں قدر — میرے کس کام کا تمہارا عشق

چوٹیں چلتی رہیں برابر کی — حسن ہارا کبھی نہ ہارا عشق

جانگزا یہ ہے جانفزا یہ ہے — مرنے جینے کا ہے سہارا عشق

ہم نہ ہوں گے خیال دنیا میں
یاد رہ جائے گا ہمارا عشق

وفا کرتے رہے ہم، ہے وفا اپنا شعار اب تک — مگر اے بدگماں تجھ کو نہ آیا اعتبار اب تک

مجھے جب دیکھتے ہیں حضرت ناصح یہ کہتے ہیں — کہا سنتا نہیں شامت ہے اسکے سر سوار اب تک

سرورِ دل نے چھوڑا ساتھ دل خود بے وفا نکلا — رہا آغازِ الفت سے بس اک غم غمگسار اب تک

خزاں کی فصل میں تو یہ بھی جاتی ہے زاہد کی — بہار آئے تو کیا ہو، یوں تو ہے پرہیزگار اب تک

ازل میں پڑ گئی تھی ایک چنگاری محبت کی — بھکتا ہے یہ دل اب تک جگر ہے شعلہ زار اب تک

جوانی تو گئی اس کا سماں بھولا نہیں جاتا — پھرا کرتے ہیں آنکھوں میں دبی[1] لیل و نہار اب تک

---

[1] بھی (نخ)

وہ مجھ پر مہرباں ہے میں فدا سو جان سے اُس پر
خدا کے فضل سے عہدِ وفا ہے استوار اب تک

خدا جانے چمن میں کس کا جلوہ کب نظر آیا
جگر ہے چاک گل کا لالے کا دل داغدار اب تک

پلائے جا پلائے جا صبوحی میں تیرے صدقے
مئے دو شینہ کا باقی ہے اے ساقی خمار اب تک

خزاں میں بھی وہی رنگِ بہار کوئے قاتل ہے
یہاں خونِ شہیداں سے کھلا ہے لالہ زار اب تک

بسر ہوتی ہے اپنی مدتوں سے آب و آتش میں
مژہ ہے دجلہ ریز اب تک نفس ہے شعلہ بار اب تک

مریضِ غم کو تیرے ایک عالم دیکھنے آیا
مگر تو نے کبھی پوچھا نہ اس کا حال زار اب تک

وہ دل تو چھین کے اب جان لینی ہے جو کہتے ہیں
خیال باوفا تجھ[1] سا نہ دیکھا جاں نثار اب تک

ہجر میں اس کے غم و رنج و الم ایک پر ایک
ہوئے جاتے ہیں مرے دل میں بہم ایک پر ایک

چرخ کے ہاتھ سے پہنچا کئے غم ایک پر ایک
ہم اٹھاتے ہی رہے رنج و الم ایک پر ایک

او دغا باز تجھے یاد ہے کچھ عہد[2] وفا
جھوٹی جھوٹی وہ مرے سر کی قسم ایک پر ایک

یوں پڑے رہتے ہیں پامال دل اس کوچے میں
جس طرح راہ میں ہوں نقشِ قدم ایک پر ایک

اس شہ حسن سے سرکش رہے یہ کس کی مجال
سر تسلیم کیا کرتے ہیں خم ایک پر ایک

اب شب و روز ستم ہوتے ہیں بالائے ستم
گئے وہ دن کہ ہوئے لطف و کرم ایک پر ایک

دیکھ لیں مرے صنم کو جو صنم خانے میں
ہو کے بیہوش گریں سارے صنم ایک پر ایک

کیا تماشا ہے وہاں شوق میں جس کے شب و روز
چلے جاتے ہیں سوئے ملکِ عدم ایک پر ایک

داغ پر داغ ہیں اس طرح مرے دل میں خیالؔ
جس طرح کیسہ میں ہوں درم ایک ایک

---

[1] اصل تجھ [2] وہ قولِ وفا ۔ خ

چڑھی ہے تیوری بدلا ہوا رنگ
کئی دن سے تمہارا ہے یہ کیا رنگ

دگرگوں تھا مریضِ ہجر کا رنگ
تم آئے اس کے منہ پر آگیا رنگ

وہی میں ہوں وہی اگلا میرا رنگ
وہی تم ہو مگر ہے دوسرا رنگ

جما دینا میری تربت پہ سبزہ
پسند اس سبزہ خط کو ہے ہرا رنگ

ہوئے ہم سرخرو ہر امتحاں میں
رقیبوں کا ہوا منہ فق، اڑا رنگ

انہیں قدموں سے ہم دونوں ہی پلٹے
حنا تھی خوش نصیب اس کا جما رنگ

اسے جب دیکھیے کچھ اور ہی ہے
نئی شان اس کی ہوتی ہے نیا رنگ

غضب ہے وہ رسیلی وہ بھری آنکھ
قیامت وہ سلونا سانولا رنگ

جوانی جوش پر ہے چشمِ بد دور
نکل آیا ہے کیا نامِ خدا رنگ

وہ بولے دیکھ کر تصویرِ لیلیٰ
یہ کیا صورت ہے کیا نقشہ ہے کیا رنگ

نہ پوچھو زالِ دنیا کا تلوّن
بدلتی رہتی ہے یہ بیسوا رنگ

ہم اس کو سادہ دل سمجھے ہوئے تھے
خبر کیا تھی کہ اک دن لائے گا رنگ

مرا رنگِ وفا برسوں سے یکساں
حنا کا چار دن میں اڑ گیا رنگ

مزاج اس کا اگر بدلا گلا کیا
زمانہ ہی کا ہے بدلا ہوا رنگ

رقیبوں میں ہے آخر کون سا وصف
برا دل ہے، بری صورت برا رنگ

گئیں رنگینیاں، اب آئی پیری
جوانی تک جوانی کا رہا رنگ

تنوع ہے پسندِ طبعِ فطرت
جدا ہر گل کی خوشبو ہے جدا رنگ

کہاں پیرِ مغاں، زاہد کہاں تو
جدا تیری روش اس کا جدا رنگ

تمہاری وضع بدلی ہے تو بدلے
نہ بدلا ہے نہ بدلے گا مرا رنگ

نہ کرتے تھے تم آنکھیں نیلی پیلی
جواں ہو کر نکالا ہے یہ کیا رنگ

خیالؔ اس زردیٔ رُخ سے ہوں مجبور[1]

نہ ہوتی یہ نہ کھلتا عشق کا رنگ

مجھے سمجھتے نہیں وہ خطاب کے قابل
مرا سوال نہ ٹھہرایا جواب کے قابل

بہک چلے نہ مرا جام پی کے حضرتِ شیخ
ابھی تو آپ ہیں ہلکی شراب کے قابل

اشارہ مری طرف کر کے غیر سے بولے
یہ آدمی ہے بڑا اجتناب کے قابل

ہمیں نے تو ستم بے شمار جھیلے ہیں
ہمیں تو ہیں کرم بے حساب کے قابل

نہ ہے نصیب یہ کیا کم ہے اے جناب کلیم
سوال آپ کا ٹھہرا جواب کے قابل

جو آنکھ والے حسیں ہیں وہ اس کو آنکیں گے
ہیں میری آنکھوں کے پردے نقاب کے قابل

دعائے وصل صنم کے لئے حرم کو گئے
چلے گناہ کو ٹھہرے ثواب کے قابل

کباب دل ہو تو جمتا ہے نشۂ مے عشق
گزک[2] ہے خاص یہی اس شراب کے قابل

وہ ایک بوسہ بھی دیں یہی غنیمت ہے
یہ منھ کہاں کرم بے حساب کے قابل

ہر ایک دل پہ جو نقطہ ہے اس کی وجہ یہ ہے
ازل میں ٹھہری یہ شئے انتخاب کے قابل

سوال وصل تو معشوق ہی سے ہوتا ہے
یہ کوئی بات بھلا تھی عتاب کے قابل

خیالؔ ہم بھی خراباتیوں میں مل بیٹھے

خراب ہی ہیں جہانِ خراب کے قابل

ہوا جس روز تجھ سے[3] آشنا دل
ہوا بیگانہ خود مجھ سے[4] مرا دل

وہ کہتے ہیں ترا کس کام کا دل
نہ رکھیں میرے سر ماریں مرا دل

تم اچھے اور سو اچھوں سے اچھے
ترا میں اور مجھ سے[5] بھی مرا دل

---

[1] کھلا راز (خ) [2] وہ شئے جو تبدیلِ ذائقہ کے واسطے کھاتے ہیں جیسے شراب کے بعد کباب۔ ف [3] اصل تجھسے (ف) [4] اصل مجھسے (ف) [5] اصل مجھسے (ف)

وہ نالاں ہیں میرا دل مفت لے کر — کہاں ملتا ہے ایسا بے بہا دل

کوئی خارِ تمنا چبھ نہ جائے — نہ چھونا تم یہ ہے کانٹوں بھرا دل

ترا پیکان سینے میں جو آیا — یہ سمجھا میں ملا اک دوسرا دل

لگا کر مجکو باتوں میں وہ عیار — بچا کر آنکھ اڑا کر لے گیا دل

پشیماں ہو کے آئے کل جہاں سے — وہیں پھر لے چلا یہ بے حیا دل

نگاہِ شوق سے تاکا جو ان کو — وہ بولے واہ کیا نیت ہے کیا دل

کرشمہ، ناز، غمزہ، عشوہ، شوخی — لیے لیتی ہے اس کی ہر ادا دل

نہ سمجھے تفرقہ دیر و حرم میں — حقیقت سے اگر ہو آشنا دل

نہ مٹھی میں نہ گیسو میں تمہارے — کہاں[۵۱] تم نے چھپا رکھا مرا دل

خود ان کی شوخیاں ہیں مات اُس سے — کچھ ایسا شوخ ہے یہ چلبلا دل

بتاتا کوئی عامل اسم ایسا — کہ مجھ پر[۵۲] مہرباں ہوتا ترا دل

ذرا سن لو میری فریاد بھی اب — چمن میں کسی چلے شورِ عنادل

نہ ٹھہرا غیر آخر امتحاں میں — بھلا اس کا جگر کیا اور کیا دل

ہزاروں خوبرو ہیں اس کے گاہک — گیا گذرا نہیں صاحب مرا دل

خیال اُس سے کبھی غافل نہ ہونا — بڑا دشمن ترا ہے خود ترا دل

یہ کیا کہا کہ ہم نہیں سنتے کسی کا حال — سنتے ہیں آدمی ہی اجی آدمی کا حال

سمجھا کریں[۵۳] وہ جھوٹ میری بےبسی کا حال — اللہ جانتا ہے جو ہے اپنے جی کا حال

عاشق کے دل میں غائب و حاضر تیری جگہ — منہ پر کچھ اور پیچھے کچھ اور آرسی کا حال

---

۵۱ چھپا رکھا ہے دل میں کیا مرا دل ۔ ج    ۵۲ بدل جاتا مرے دل سے ترا دل ۔ ج

۵۳ تم جانو یا نہ جانو (خ)

واعظ نے کھولے خوب خرابا تیوں کا راز
سچ ہے ولی ہی جانتے ہیں کچھ ولی کا حال

کیا جانے کیا اثر ہوا میرے فسانے کا
کہتے ہیں وہ ہم اب نہ سنیں گے کسی کا حال

داڑھی پھڑک رہی ہے عمامہ تھرک رہا
ہے شیخ جی کا حال بھی کیا دل لگی کا حال

حیرت یہ ہے کہ دل میں لگائی تمہیں نے آگ
پھر تم ہی جانتے نہیں دل کی لگی کا حال

ناصح کا ڈر الگ ہے شماتت کا خوف الگ
کہتے نہیں کسی سے بھی ہم اپنے جی کا حال

مجنوں کی داستان کوئی داستان ہے
مجھ[1] سے سنو خیالؔ کی دیوانگی کا حال

یہ جو جو کرتا ہے ستم، طالع ستم، اختر ستم
پھر ترا کیا شکوہ تو بھی کر لے جی بھر کر ستم

پھیرے دل اے ستمگر یوں ہے دونوں پر ستم
تجھ کو بھاری دل ہمارا دل کو ہے دو بھر ستم

شرم ہی تیری ہے اے چشمِ حیا پرور ستم
پھر یہ شوخی کی جھلک اس میں ستم اندر ستم

اک بتِ بے رحم کے ہاتھوں نہیں کیا کیا عذاب
جان پر آفت، جگر پر قہر ہے، دل پر ستم

غیر کے ہمراہ آنے سے نہ آنا ہی بھلا
بندہ پرور اس کرم سے تھا کہیں بہتر ستم

ایک تم ہو تم غرض سمجھے ہماری ہر وفا
ایک ہم ہیں ہم کرم سمجھے تمہارا ہر ستم

جب کہا ان کو ستمگر ہنس کے بولے سچ کہو
کیا کیا؟ کیا کیا کیا؟ ہم نے کیا کس پر ستم

خوگر ناز و ادا کی ہے ستم پر زندگی
جاں فزا ہے اس کے حق میں ترا جاں پرور ستم

مر گئے پر دیکھئے پھل صبر کا ملتا ہے کیا
زندہ ہم جب تک رہے جھیلا کئے اکثر ستم

منقضی ہے شرط جب دونوں ہیں عاشق آپ کے
پھر یہ کیا ہے، غیر پر کیجے کرم مجھ پر ستم

پر ہو جس کا قول کیا اس کے ستم کا پوچھنا
خوبرو کا حُسن زیور حُسن کا زیور ستم

کاوشِ مژگانِ قاتل میرے دل سے پوچھئے
تیر سے بڑھ کر ہیں چھوٹے چھوٹے یہ نشتر ستم

---

[1] اصل مجھسے ۔ ف

ہائے پچھلی رات کو جب چین سے کٹتے ہیں سب — تیری یاد آ کے کیا کیا ڈھاتی ہے مجھ پر ستم

نیم جاں رکھ کر وہ تڑپاتے ہیں یہ دشوار ہے — جان کا لینا تو تھا آساں سے آساں تر ستم

دردمندانِ ازل کو درد سے کب ہے نجات — ہجر و وصلِ شمع دونوں ہیں پتنگوں پر ستم

عاشقوں کے قتل سے باز آئے وہ یہ سوچ کر — آپ ہی مر جائیں گے کمبخت سہہ سہہ کر ستم

دین و ایماں[1] یہ تو دونوں ہو چکے غارت خیالؔ
دیکھیں کیا کیا اور کرتا ہے وہ غارت گر ستم

جب تک رہی امید اٹھاتے تھے ناز ہم — قربانِ یاس کے کہ ہوئے بے نیاز ہم

سمجھیں ترے کہے سے ستم کو بھی ناز ہم — کیا خوب ایسے ہی تو ہیں بے امتیاز ہم

سارے جہاں کی چھان ہے خاک اسکی ڈھونڈ میں — دنیا کے جانتے ہیں نشیب و فراز ہم

جکڑا ہوا ہے دامِ حقیقت میں بند بند — ظاہر میں ہیں اسیرِ کمندِ مجاز ہم

ہو جائے گا کبھی تو حسینوں کو اعتقاد — پڑھتے ہیں شاہراہ پر اکثر نماز ہم

کم ظرف تھا پتنگ کہ جلتے ہی چیخ اٹھا — رہتے ہیں محوِ لذتِ سوز و گداز ہم

مشہور ہے جہاں میں تری پاک دامنی — کیا بحث ہم سے ہاں نہ سہی پاکباز ہم

یہ خواہش و دعا یہ طلب پھر یہ جواب — غزنیں کے بادشاہ ہیں آپ اور ایاز ہم

مسجد کی حاضری سے بڑا فائدہ ہوا — رکھ آئے میکدے میں گرو جانماز ہم

صد شکر پائے بوسیِ قاتل ہوئی نصیب — پامال جو ہوئے تو ہوئے سرفراز ہم

رلت آپ ہی سے حضرتِ واعظ شریک ہے — پہچانتے ہیں آپ کی ریشِ دراز ہم

ناکردہ کار شمع کا اندر سے اضطراب — اک عمر سے ہیں خوگرِ سوز و گداز ہم

گھاتیں ادا و ناز کی معلوم ہو گئیں — دل اپنا کھو کے ہو گئے آگاہِ راز ہم

---

[1] دین و دل دونوں کے دونوں (خ) کہے سننے سے۔ خ

یہ مختصر ہے قصہ ہوا اپنا مختصر — کیا کیا کہیں حکایت زلف دراز ہم

واعظ بُرا ہے نشّہ مے سے بھی عجب زہد — تو اس کو چھوڑ اس سے کریں احتراز ہم

وہ پاک بے نیاز تو آگاہ ہے خیال

دنیا کی آنکھ میں نہ سہی پاکباز ہم

بیگانے تجھ سے مل کے ہوئے ہر کسی سے ہم — اپنی نظر میں آپ بنے اجنبی سے ہم

بگڑے کس سے کے خفا ہیں پوچھا تو تو سہی — لے آئے ہیں اٹھا کے عدو کی گلی سے ہم

ہم جا کے مل سکے نہ کبھی آ کے وہ ملے — مجبور وہ خودی سے رہے بیخودی سے ہم

کیا کہہ کے دوست دوست دل و دین اڑا لیا — در گذرے باز آئے تری دوستی سے ہم

منزل پہ سارے قافلے والے پہنچ گئے — تنہا ادھر ہی رہ گئے واماندگی سے ہم

تم چھین لو تو چھین لو یہ اور بات ہے — دل سی عزیز چیز نہ دیں گے خوشی سے ہم

ایما یہ ہے کہ مجھ سے ملاقات ہو گی ترک — وہ کہہ رہے ہیں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم

کچھ یاد بھی ہیں تم کو وہ اپنی خوشامدیں — تم سے جو روٹھتے تھے کبھی دل لگی سے ہم

عاشق وہ جان لیں گے تو ملنا نہ چھوڑ دیں — کچھ عرض شوق کر نہیں سکتے اسی سے ہم

شاید پتا بتا دے کوئی بندۂ خدا — اُس بت کے گھر کو پوچھتے ہیں ہر کسی سے ہم

ناصح کی بات بات کے سو سو دیئے جواب — حاشا کبھی دبے نہ دبیں گے کسی سے ہم

کمبخت کی خمیر میں ہے فتنہ و فساد — واقف ہیں خوب غیر کی بدطینتی سے ہم

لکھا ہے اس نے آج کے "آ کر ملوں گا کل" — بیٹھے ہیں انتظار میں اس کے ابھی سے ہم

تنہائی فراق میں خاموش رات دن — دیوار و در کو تکتے ہیں کس بے کسی سے ہم

جب تک تھی کچھ امید دعا کو اٹھائے ہاتھ — اب ہاتھ اٹھا کے بیٹھے ہیں امیدی سے ہم

---

ے نیچے درف، ے کو خوش کرو۔ خوے اظہار عشق ے چپ چاپ یہ خیال ے

ان کو خبر نہیں کہ خبر لیں وہ اے خیال
بیتاب و بیقرار ہیں دل کی لگی سے ہم

دعویٰ یہ ان کو حسن میں یکتا ہمیں تو ہیں — ہم کو یہ ناز حسن کے شیدا ہمیں تو ہیں
جس درد کی دوا نہ ہو وہ عشق ہی تو ہے — بیمار جو کبھی نہ ہوا اچھا ہمیں تو ہیں
کہتے ہیں وہ کہ بخت و فلک سب ہیں مہرباں — تیری نظر میں اک ستم آرا ہمیں تو ہیں
آئینہ دیکھتے ہیں تو کہتا ہے ان سے عکس — تم سا حسیں بھی جس پہ ہو شیدا ہمیں تو ہیں
پروانہ، شمع، بلبل و گل سب ہیں ساتھ ساتھ[ل] — جس سے جدا ہو یار وہ تنہا ہمیں تو ہیں
جب تیرے دادخواہ کی محشر میں ہوگی ڈھونڈ — بڑھ کر کہیں گے خدایا ہمیں تو ہیں
کہتا ہے دل کہ آنکھوں سے جس کا لہو بہا — ہے کون وہ شہیدِ تمنا ہمیں تو ہیں
شہرت ہو جس کی جور و جفا کی تمہیں تو ہو — شہرہ ہے جس کی مہر و وفا کا ہمیں تو ہیں
پوچھا جو میں نے کون ترے دل میں ہے بتاؤ — کس ناز سے وہ شوخ یہ بولا ہمیں تو ہیں
بے بندگی کے جس کو ہو انعام کی امید — عاصی ترے وہ بارِ خدایا ہمیں تو ہیں
شہرت ہوئی تمہاری ہمارے ہی عشق سے — معشوق جس نے تم کو بنایا ہمیں تو ہیں
ہاں ہاں بجا ہے سچ ہے تمہاری خطا نہیں — مجرم قصوروار سراپا ہمیں تو ہیں

کل دیکھ کر خیال کو تسکین ہو گئی
سمجھے تھے ہم کہ شہر میں رسوا ہمیں تو ہیں

کون سا ہے وہ بشر جو حسن کا شیدا نہیں — کس کی آنکھیں ہیں جو مشتاقِ رخِ زیبا نہیں
خارِ مژگاں کا تصور دل سے جا سکتا نہیں — جو نکالے سے نکل جائے یہ وہ کانٹا نہیں
دیکھتے ہیں جزو میں جلوہ کل کا اربابِ بصر — کون سا قطرہ انہیں دریا نظر آتا نہیں

---

ل آس پاس ۔ خ

اوک سے پی لیں گے چلو بھر سبو ڈھال دے — کیا ہوا ساقی اگر ساغر نہیں مینا نہیں

آج وہ ٹھہرا غلط کل تک ہوا جو انکشاف — رازِ ہستی وہ معمہ ہے جو حل ہوتا نہیں

رات دن تو ساتھ اس پر تیری یہ بیگانگی — آشنا تجھ سا نہیں نا آشنا تجھ سا نہیں

نازِ عاشق کے نیاز و عجز سے ہے بے نیاز — حسن مستغنی ہے اس کو عشق کی پروا نہیں

اہلِ غیرت شرم سے ہو جاتے ہیں خود آب آب — ڈوب مرنے کے لئے درکار انہیں دریا نہیں

حسنِ صورت حسنِ سیرت جمع ہیں سب خوبیاں — تو ہی کہہ انصاف سے ناصح کہ اس میں کیا نہیں

جلوۂ در پردہ ہی پر ایک عالم لوٹ ہے — بے نقاب اسکو کسی نے آج تک دیکھا نہیں

فرد ہے یکتا ہے اخلاص و محبت میں خیالؔ
تم نے اب تک اس کو پہچانا نہیں جانا نہیں

حشر کس دن اضطرابِ شوق سے برپا نہیں — کیوں کسی کا وعدۂ محشر وفا ہوتا نہیں

مال نادر ہے یہ اونے پونے مل سکتا نہیں — دل ہمارا کچھ گیا گزرا ہوا سودا نہیں

میں نے مانا مجھ سے بڑھ کر ہیں ہزاروں با وفا — بندہ پرور یہ تو کہئے آپ بھی ہیں یا نہیں

سن لیا آخر کو دم توڑا مریضِ ہجر نے — میں نہ کہتا تھا تغافل اس قدر اچھا نہیں

ہجر میں خاموش نالاں عینِ عہدِ وصل میں — خندۂ گل نالۂ بلبل یہ کچھ بیجا نہیں

جان پر یہ کھیل جاتے ہیں ذرا سی بات میں — اس کے جانبازوں کو مطلق جان کی پروا نہیں

بے سبب کوئی بگڑ بیٹھے تو اس کا کیا علاج — کچھ خطا اپنی نہیں کوئی قصور اپنا نہیں

قول کا جھلا نہیں دیتے تکلف برطرف — قول ملنے کا تو دو اب پھر ملوگے یا نہیں

کٹ کھنی[1] ناصح کی صورت پھر نہ آجائے نظر — اور کچھ دھڑکا مجھے روزِ قیامت کا نہیں

وحشتِ دل ایسے ویرانے میں لائی ہے جہاں — آدمی کیا؟ آدمی کا نقش پا ملتا نہیں

---

[1] کاٹ کھانے والی۔ ف

ان کے دل میں کچھ کدورت ہو تو وہ جانیں خیال
یوں بظاہر اب مرے ان کے کوئی جھگڑا نہیں

اشک غمازی سے دل کی باز آسکتا نہیں — میں چھپاتا ہوں محبت پہ چھپا سکتا نہیں
خونِ بسمل سے جو دامن بھی بچا سکتا نہیں — قتل کو وہ قاتلِ ناداں چھپا سکتا نہیں
بوالہوس کے تنگ دل میں اسکی گنجائش کہاں — عشق دریا ہے یہ کوزے میں سما سکتا نہیں
دل کی چوری کا پتا نیچی نگاہوں سے ملا — چور آنکھیں مال والے سے ملا سکتا نہیں
مجھ[1] سے سینے میں سناؤں آپ بیتی داستاں — قصہ خواں ایسا کوئی قصہ سنا سکتا نہیں
جانتے ہیں وہ چھپی چوٹوں کا مشکل ہے ثبوت — دل دکھاتے ہیں کہ دل کوئی دکھا سکتا نہیں
میں نے دیکھا ہے کنکھیوں سے وہ بیٹھے ہیں کہاں — کچھ سمجھ کر اُس طرف آنکھیں اٹھا سکتا نہیں
اللہ اللہ کس قدر ہے پاسِ حسرت کا ہجوم — دل سے حرفِ آرزو اب لب تک آسکتا نہیں
اک قیامت ہوگی جب جونک اٹھے خوابِ ناز سے — گدگدا سکتا نہیں ان کو جگا سکتا نہیں
عشق بازی کے لئے ہے ناز برداری ضرور — دل لگا سکتا نہیں جو ناز اٹھا سکتا نہیں
جانتا ہوں کس نے لوٹی ہے متاعِ دین و دل — نام غارتگر کا لیکن میں بتا سکتا نہیں
آنکھ اِدھر اُس نے اٹھائی دل اُدھر ہاتھ آگیا — یوں کوئی سرسوں ہتیلی پر جما سکتا نہیں
ایک وہ ہیں دیتے ہیں ہر بات کے سو سو جواب — ایک میں ہوں اسکے آگے لب ہلا سکتا نہیں

دل تو ہے افسردہ مضمون شوخ ہو کیونکر خیال
غنچۂ پژمردہ ہرگز مسکرا سکتا نہیں

یہی بہتر ہے مدعا نہ کہوں — ہوں وہ جس بات سے خفا نہ کہوں
بے وفا تجھ[2] کو بے وفا نہ کہوں؟ — تو دغا دے تری دغا نہ کہوں؟

---

[1] اصل مجھے۔ ف [2] اصل تجکو (ف)

وہ وفادار ہوں ستم پر بھی — کلمۂ شکر کے سوا نہ کہوں

قتل ہی کو سہی وہ جب آئے — نہیں ممکن کہ مرحبا نہ کہوں

ہوئیں باتیں اِدھر اُدھر کی بہت — کچھ کہوں دردِ دل بھی یا نہ کہوں

راہ کے پھیر کی شکایت کیا — پھیر اپنے نصیب کا نہ کہوں

جب ملے وہ تو منہ تھتھائے ہوئے — مدعا یہ کہ مدعا نہ کہوں

کچھ تو شرمائے گا وہ مجمع میں — کیوں ستم اُس کے برملا نہ کہوں

شکوۂ غیر پر بگڑتے ہو — جو بُرا ہو اسے بُرا نہ کہوں

رات تھوڑی سی اور باتیں بہت — کیا کہوں اے دل اور کیا نہ کہوں

تو ہی جو غبار ہے دل میں — منہ پر اس کے صفا صفا نہ کہوں

ابھی کچھ ربط اور بڑھ جائے — ابھی کچھ اُن سے مدعا نہ کہوں

قصۂ غم کہوں شکایتِ شوق — وہ کسی دن ملے تو کیا نہ کہوں

رات کیا؟ عمر ہی گذر جائے — دردِ دل کا اگر فسانہ کہوں

حشر کے دن ترے ستم کا حال — تو سہی میں ذرا ذرا نہ کہوں

پارسائی جتائے لاکھ خیال
رند ہے اس کو پارسا نہ کہوں

وہی انسان ہے یکساں رہے جو رنج و راحت میں — نہ اترائے مسرت میں نہ گھبرائے مصیبت میں

مجھے وہ حور وش مل جائے میں حوروں سے درگذرا — کہوں گا داورِ روز قیامت سے قیامت میں

خدا کی شان وہ مجھ پر ستم کرکے یہ کہتے ہیں — خدا جانے نہیں کیوں شبہ ہے میری محبت میں

چلو آئینہ خانے میں عبث ہے لاف یکتائی — دکھا دوں میں کہ تم سے کتنے بڑھ کر ہیں نزاکت میں

---

۱ اس سے (نخ)

لیا پیرِ مغاں نے عہد مجھ سے ترکِ تقویٰ کا
شکستِ توبہ کی بہتر توڑا میں نے بیعت میں

خبر کیا پوچھتے ہو اپنے بیمارِ محبت کی
جو دم ارمان میں ٹوٹا تو نکلی جان حسرت میں

نہ آئی دخترِ رز مجلس میں جنابِ شیخ کے اب تک
نہ ہو کس طرح شک رندوں کو حضرت کی کرامت میں

کوئی ایسا نہیں جس سے ہو لطفِ دوستی حاصل
مزہ ہے شکر منت میں نہ لذت ہے شکایت میں

وہ کہتے ہیں مرے شکوے نہ کر رو اپنی قسمت کو
ستم[1] کیوں اس قدر لکھے ہوئے تھے تیری قسمت میں

کوئی اس شوخ کا ثانی نہ نکلا ہے نہ نکلے گا
ادا میں ناز میں غمزے میں شوخی میں شرارت میں

خیال اب بھی کہا مانو مرا للہ باز آؤ
گئی ہے جان کتنے نوجوانوں کی محبت میں

پھول کیا وہ پھول جس میں بو نہیں رنگت نہیں
دل نہیں جس دل میں سوزِ غم نہیں حسرت نہیں

پھر نہ کھینچے گا مضر اغیار کی صحبت نہیں
چار دن میں دیکھئے وہ روپ وہ رنگت نہیں

ہو مبارک ہم صفیرو تم کو گل گشتِ چمن
ہم کو اپنے داغِ دل کی سیر سے فرصت نہیں

واعظوں کے منہ سے جب سنئے تو ہے ذکرِ عذاب
ان کے قرآں میں کہیں کیا آیۂ رحمت نہیں

یہ بڑی نعمت ہے دل کو خواہشِ نعمت نہ ہو
بے نیازی کے برابر کوئی بھی نعمت نہیں

ہائے تیرے مبتلا کی نا امیدی اُف رے یاس
اب سوا مرنے کی حسرت کے اسے حسرت نہیں

لالہ ٹکڑے ٹکڑے بھی ہے خوں میں ڈوبا بھی ہے
پھر بھی دیکھو اس دلِ صد چاک میں صورت نہیں

بوسۂ پیہم پہ جھنجلا کر یہ کہنا ان کا ہائے
بھرتی دیکھی ہم نے اس کمبخت کی نیت نہیں

دل کے ہاتھوں کیوں نہ ہو انسان دنیا میں ذلیل
دل کو دل[2] کو دیکھ لو کیا ایک سی صورت نہیں

خوب دیکھا ہم نے گلزارِ جہاں کو اے خیال
پھول سب ہیں اس چمن میں اک گلِ عشرت نہیں

---

[1] ستم لکھے ہوئے تھے اس قدر کیوں (خ) [2] لمبی زلف دخاری۔ ف

بن گئی غمازِ حیرت میں کروں تو کیا کروں
کھل گیا رازِ محبت میں کروں تو کیا کروں

اس سے پھر کچھ عرضِ حاجت میں کروں تو کیا کروں
کہہ چکا وہ تری قسمت میں کروں تو کیا کروں

قصدِ توبہ کرتے کرتے آ گئی فصلِ بہار
اب ہے ڈانواڈول نیت میں کروں تو کیا کروں

شوق کا قول ان کو دیکھ آ غیر کے گھر ہیں تو کیا
روکتی ہے مجھ کو غیرت میں کروں تو کیا کروں

مجھ سے عاجز آ گئے ناصح تو فرما کر چلے
یہ ہے دیوانہ نصیحت میں کروں تو کیا کروں

جان پہچان ان سے کچھ ہوتی تو کرتا عرضِ حال
جب نہ ہو صاحب سلامت میں کروں تو کیا کروں

درد ہے درماں محبت، سوزشِ غم لاعلاج
چارہ گر کو ہے یہ حیرت میں کروں تو کیا کروں

عاجزی کی، ہاتھ جوڑے، پاؤں پر سر رکھ دیا
اور اب منت سماجت میں کروں تو کیا کروں

رد نہیں کرتے ہیں واعظ کوئی دے کیسا ہی مال
کہتے ہیں حاضر شے میں حجت میں کروں تو کیا کروں ن

ہوں گنہگارِ محبت جو سزا چاہیں وہ دیں
عذر کچھ بہرِ برأت میں کروں تو کیا کروں

لاکھ کوشش کی دُرِ مقصود ہاتھ آتا نہیں
دم بخود ہوں غرقِ حیرت میں کروں تو کیا کروں

یہ تو مانا ہرزہ گردی کا کوئی حاصل نہیں
جب نہ مانے دل کی وحشت میں کروں تو کیا کروں

دل سے دل کو راہ ہوتی ہے وہ خود آگاہ ہیں
منہ سے اظہارِ محبت میں کروں تو کیا کروں

ضبطِ غم دشوار، نالہ ضعف سے کرنا محال
صبر غائب، طاق طاقت میں کروں تو کیا کروں

رک نہیں سکتی ہنسی واعظ کی سج دھج دیکھ کر
گدگداتی ہے طبیعت میں کروں تو کیا کروں

دُردِ مے بھی دورِ آخر میں غنیمت ہے خیال
شکر کرتا ہوں شکایت میں کروں تو کیا کروں

---

ن "دورِ حاضر میں حجت نہیں" ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ جو چیز موجود ہے اس کے دینے میں انکار نہیں ہو سکتا۔ اس شعر میں واعظ پر طنز ہے کہ وہ کسی چیز کے لینے کے وقت کہتا ہے کہ حاضر چیز کے لینے میں حجت نہیں کرتا، مال حرام بھی لے لیتا ہے۔ (خ)

جو عاشق ہیں وہ شکرِ لذّتِ بیداد کرتے ہیں
یہ تم نے سچ کہا اہلِ ہوس فریاد کرتے ہیں

بلاتے ہیں نہ آتے ہیں نہ خط سے شاد کرتے ہیں
ہمیں وہ بھولے بیٹھے ہیں جنہیں ہم یاد کرتے ہیں

بجا ہے سچ تو ہے میں کون ان کو روکنے والا
یہ دل ہے ان کا گھر وہ اپنا گھر برباد کرتے ہیں

ستم کا کیا گلہ؟ اس بات کی ان سے شکایت ہے
مجھے ناشاد کر کے غیر کا دل شاد کرتے ہیں

وہی خلوت میں خود بھی کاش کرتے حضرتِ واعظ
بھری مسجد میں منبر پر جو کچھ ارشاد کرتے ہیں

غرض یہ ہے کہ تو سر پھوڑ کر کیوں مر نہیں جاتا
بیان مجھ سے وہ اکثر قصۂ فریاد کرتے ہیں

غمِ پنہاں کا راز افشا کیا کمبخت حیرت نے
نہ آنکھیں اختیار اپنی نہ لب فریاد کرتے ہیں

جو اپنا نام مجھ کو رٹتے دیکھا ہنس کے فرمایا
سبق بھولا ہوا ہے، آپ اس کو یاد کرتے ہیں

شکایت دوست کی اغیار سے شکوہ نہیں اپنا
تجھی سے ہم تری بیداد کی فریاد کرتے ہیں

ذرا میری طرف تو دیکھئے مقتل میں حاضر ہوں
وفادار اب نہیں یہ آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

صلہ الفت کا یہ ہے کلفتِ دل بڑھتی جاتی ہے
وفا کی داد یہ ہے اور وہ بیداد کرتے ہیں

بیمار اشتغل پوچھیں تو قاصد ان سے کہہ دینا
کبھی تم کو کبھی اپنی اجل کو یاد کرتے ہیں

وہ جب تلوار اٹھاتے ہیں کسی کی جانستانی کو
کمک کرتے ہیں غمزے ناز بھی امداد کرتے ہیں

اگر بیداریٔ شب پر مدارِ زہد و تقویٰ ہے
یہی ہم رند بھی کرتے ہیں جو زہّاد کرتے ہیں

جھکا لی آنکھ پڑھ کر خط کو قاصد سے یہ فرمایا
"کشش حرفوں کی ایسی ہے کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

حرم میں ہیں یا بتکدے میں یا کلیسا میں
تمہارے چاہنے والے تمہیں کو یاد کرتے ہیں

نہیں سنتا کسی کی ایک ہی بیدرد ہے ظالم
ادھر دشنہ رقیبے میں بٹے اُدھر فریاد کرتے ہیں

مریضِ غم نے ہچکی لی تو کس شوخی سے وہ بولے
سدھارو خلد کو اب حور و غلماں یاد کرتے ہیں

دکھا کر اس گریباں کو پکڑ کر اس کے دامن کو
کبھی روداد کہتے ہیں کبھی فریاد کرتے ہیں

دل اب چھٹتا نہیں بیکار ہے کوشش رہائی کی
خیال اپنے اسیرِ دل کو وہ کب آزاد کرتے ہیں

دن گذرتا ہے تلاشِ یار میں | کٹتی ہے شب حسرتِ دیدار میں
جنسِ دل ہے پاس تو گاہک بہت | کوئی آہی جائے گا بازار میں
کس کے نقشِ پا کے یارب ہیں نشاں | گل کھلے ہیں کوچۂ اغیار میں
ہائے جذبِ عشق کی نیرنگیاں | حضرتِ یوسف بکے بازار میں
دیکھنے کو حال کب آئے ہیں آپ | حال جب باقی نہیں بازار میں
اب شباب آیا تو فرق آنے لگا | آپ کی گفتار میں رفتار میں
شہر میں ہوں کیا کمی معشوق کی | خوبرو ہیں سینکڑوں بازار میں
شوق سے بسمل رگڑتے ہیں گلا | کیا مزہ ہے آپ کی تلوار میں
ڈھونڈھے کس نے لکھا یہ حالِ دل | ایک کتبہ ہے بنا دیوار میں
ہائے رے حالت امید و بیم کی | میری کشتی آج ہے منجدھار میں
ملنے کو ملتے ہیں لاکھوں آدمی | آدمیت ملتی ہے دو چار میں
دلفریبوں کی دو رویہ بھیڑ ہے | سیر کو نکلے ہیں وہ بازار میں
مان لو میری خدا کو مان کر | رات آخر ہو گئی تکرار میں
برگِ گل سمجھی ترے منہ کا اگال | اس کو بلبل لے اڑی منقار میں
کب بجھی اس سے میرے دل کی لگی | آب ہے تو ہو تری تلوار میں
دل کو بہلایا خیالِ یار سے | مشغلہ یہ تھا فراقِ یار میں
وہ بھی بدخو یہ بھی ہے نازک مزاج | ہو نہ کچھ جھگڑا دل و دلدار میں
لاکھ صحت اس پہ قرباں کیجئے | وہ مزہ ہے عشق کے آزار میں
غیر دربان تو وہاں جانے نہ دے | پڑ رہیں گے سایۂ دیوار میں
حسن اس پردہ نشیں کا ہے کچھ اور | یوں تو ہیں لاکھوں حسیں بازار میں
ہائے کب مقتل میں لائے ہیں مجھے | دم ہی جب باقی نہیں تلوار میں

پی بہت اب خوف بے کیفی کا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ ساقیا تھوڑی سی دے مقدار میں

اب وہ سمجھے گرمیِ خونِ شہید ‏ ‏ ‏ ‏ جبکہ چھالے پڑ گئے تلوار میں

کب کسی کی بات سنتے ہیں خیالؔ

وہ تو بیخود ہیں خیالِ یار میں

پیتے ہیں دونوں بادۂ گلفام ابر میں ‏ ‏ ‏ ‏ مسلم میں امتیاز رہا کچھ نہ گبر میں

کیا جمع زر سے فائدہ پہنچے گا منعمو ‏ ‏ ‏ ‏ جاتا نہیں ہے ساتھ کبھی مال قبر میں

مختار ہو بشر تو خدا جانے کیا کرے ‏ ‏ ‏ ‏ سو آفتیں تو کرتا ہے برپا یہ جبر میں

ساقی ہو، کنج باغ ہو، مے ہو، کباب ہو ‏ ‏ ‏ ‏ رہتی ہے فکر دل کو یہی روز ابر میں

پھیلا کے پاؤں چین سے سوتا ہے بشر ‏ ‏ ‏ ‏ اعمال نیک کا جو بچھونا ہو قبر میں

کیوں کر نہ صبر تلخ ہو دنیا میں اے خیالؔ ‏ ‏ ‏ ‏ صورت میں کوئی فرق نہیں صبر و جبر میں

---

عبث ہے بیش و کم کی فکر یہ سودا نہ رکھ سر میں ‏ ‏ ‏ ‏ وہی ہوتا ہے اے غافل جو ہوتا ہے مقدر میں

فلک ہی پر نہیں ناز و ادا نے اس کی چکرایا ‏ ‏ ‏ ‏ فلک پر مہر و مہ بھی رہتے ہیں دن رات چکر میں

خدائی میں یہاں دعویٰ بتوں کو ہے خدائی کا ‏ ‏ ‏ ‏ خدا کے سامنے دیکھیں یہ کیا کہتے ہیں محشر میں

غم فرقت میں ذوق میکشی کیا خاک ہوتا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ بھری رہ جاتی ہے یونہی شراب ناب ساغر میں

اگر ہو اتفاق آپس میں کیا کھٹکا ہے آفت کا ‏ ‏ ‏ ‏ کبھی جگ[ع] کو کب پٹتے ہوئے دیکھا ہے چوسر میں

حدوثِ دہر باطل ہے تغیر دہر میں کب ہے ‏ ‏ ‏ ‏ ہمیں تو رات دن رونا ہے دل کا ہجر دلبر میں

نہ چھوٹی جان دینے پر کبھی ہم سے جستجو اس کی ‏ ‏ ‏ ‏ بگولے[ل] کی طرح رہتی ہے اپنی خاک چکر میں

---

ل۔ بگولا بن کے رہتی ہے ہماری خاک چکر میں (خ)

ع چوسر کے کھیل میں دو نردوں کا ایک ہی خانہ میں اکٹھا ہو جانا۔ ف

ہماری چشمِ طوفاں خیز کو وہ دیکھ کر بولے | نہ جوش ایسا ہے دریا میں نہ شور ایسا سمندر میں

خطائیں کی ہیں یارب تیری رحمت کے سہارے پر [1] | کہیں گے داورِ محشر کے آگے ہم یہ محشر میں

نہیں وہ محفلِ مے میں تو مینا خوں اگلتا ہے | مئے گلگوں نہیں، آنسو بھرے ہیں چشمِ ساغر میں

خیالؔ اللہ اکبر اتنے خوش ہو ان کے وعدے پر
پلٹ جاتے ہیں یہ بُت سیکڑوں باتوں سے دم بھر میں

کچھ اعتماد میری وفا کا اگر نہیں | کیسے ہوتے ہیں کبھی یہ ستم غیر پر نہیں

نکہت کا کوئی فائدہ اے چارہ گر نہیں | صندل سے ہو جو دور وہ یہ دردِ سر نہیں

کیا ہم گناہگاروں کا ہوگا گذر نہیں | جنت ہے اس کریم کی، اغنیا کا گھر نہیں

اس آب و تاب کے کہیں لعل و گہر نہیں | کچھ تم کو قدرِ اشکِ محبت مگر نہیں

کوئی سوال رد ہو تو کوئی قبول ہو | یہ کیا کہ آپ کہتے ہیں ہر بات پر "نہیں"

جس طرح ایک بار ملی عمر بھر ملی | کچھ آپ کی نظر تو ہماری نظر نہیں

یہ دل بھی مثلِ شانۂ گیسو ہے چاک چاک | دونوں میں فرق دیکھ [2] نہ لو بال بھر نہیں

تیغِ نگاہِ ناز سے اللہ کی پناہ | وار اس کا روک لے کوئی ایسی سپر نہیں

یہ اور بات ہے کہ وہ میری خبر نہ لے | دنیا کی بے خبر اسے کس کی خبر نہیں

چتون سے تاڑ لیتے ہیں عاشق کا مدعا | کہہ دیتے ہیں سوال سے وہ پیشتر نہیں

ان سنگدل حسینوں سے فریاد ہے عبث | بیداد گر ہی ہوتے ہیں یہ دادگر نہیں

حالِ شبِ فراق نہ پوچھو شبِ وصال | یہ رات مختصر سی ہے وہ مختصر نہیں

نزدیک و دور دور میں ساغر ہے چار سو | پیرِ مغاں کی چشمِ عنایت کدھر نہیں

پیری میں فکر توشۂ اعمال کر خیالؔ | وقتِ سفر قریب ہے زادِ سفر نہیں

---

[1] بھر دے (نخ)، [2] دیکھ لو تم (نخ)

تیری اے حور غضب ہے آنکھیں — چشم بد دور غضب ہے آنکھیں

دیکھتی بھی نہیں عاشق کی طرف — اس کی مغرور غضب ہے آنکھیں

کرتی ہیں اچھوں کو اپنا بیمار — یہ تو رنجور غضب ہے آنکھیں

دل لئے لیتے ہیں ان کے عشوے — سب ہیں مجبور غضب ہے آنکھیں

مست کرتی ہے نظر ساقی کی — اس کی مخمور غضب ہے آنکھیں

میری آنکھوں میں گھر اس کا ہے خیال
اس کی مشہور غضب ہیں آنکھیں

کیوں کہاں سے غم الفت سے میں دلگیر ہوں — ہو گئی تقصیر بے شک واجب التعذیر ہوں

خال و خط کیا دیکھتے ہو نوجوانوں پیر ہوں — صفحۂ ہستی پر ایک مٹتی ہوئی تصویر ہوں

تم کہے جاؤ برا مجھکو[1] نہ مانوں گا برا — میں مزے لیتا ہوں محو لذّت تقریر ہوں

آج خلوت میں چھڑا لو اپنا دامن ہاتھ سے — تو بھی کل مجمع محشر میں دامن گیر ہوں

تو مجسم ناز و خوبی میں سراپا درد و داغ — حسن کا پتلا ہے تو میں عشق کی تصویر ہوں

بے اثر نکلی جو تو ایک تیر سا مجھ[2] کو لگا — کشتۂ شرمندگی اے آہ بے تاثیر ہوں

دل جو تم پر آ گیا دل سے یہ گستاخی ہوئی — کیوں سزا ہوتی ہے میری میں تو بے تقصیر ہوں

وہ لگا لے جائیں گے ساتھ اپنے کوئے غیر میں — خاک میری کہتی ہے کیا خاک دامن گیر ہوں

اے دل وحشی یہ جب سے ان کا منتر چل گیا — سحر و افسوں کا مقر ہوں قابل تسخیر ہوں

خاک پس کر ہو گیا گو گردش افلاک سے — دیدۂ عبرت نگر کا سرمۂ تنویر ہوں

شستہ بحث میں کیوں نہ ہو شہرت ہماری اے خیال
چار یاری ہوں غلام شبر و شبیر ہوں

---

۱؎ اصل مجکو۔ ۲؎ اصل مجکو۔ ف

چاند اس حسن کے مثال نہیں — وہ جمال اور وہ کمال نہیں

ایک نظر دیکھ لو عنایت ہے — اور کوئی مرا سوال نہیں

شوخیاں آئیں گی شباب کے ساتھ — ابھی اُن کا وہ سن و سال نہیں

تیرے بیمار کی یہ حالت ہے — حال کہنے کا اس میں حال نہیں

چارہ گر زخم عشق ہے ناسور — اس کو ہوتا ہی اندمال نہیں

انتہا ہر کمال کی ہے زوال — خوش ہوں مجھ میں کوئی کمال نہیں

کعبۂ دل کو ڈھائے دیتے ہو — کچھ خدا کا بھی تو خیال نہیں

شرط ہے آدمی کو استقلال — پھر کوئی کام ہی محال نہیں

غیرتِ حور ہو کہ رشکِ پری — آدمی کیا جو خوش خصال نہیں

سب میں ناقص رہا خیالؔ افسوس
بے کمالی میں بھی کمال نہیں

نامِ خدا جہاں میں تم سا حسیں نہیں — اس گات سے اس پھبن کا کوئی نازنیں نہیں

کب تک شبِ وصال رہے گی "نہیں نہیں" — یہ ضد کو میری جان کوئی دلنشیں نہیں

کس دن نگاہیں اس کی رہیں خشمگیں نہیں — کس روز میرے سینے پہ خنجر یاں چلیں نہیں

یہ ناز یہ غرور کسی میں کہیں نہیں — دنیا میں اور بھی حسیں، اک تمہیں نہیں

آنکھیں بدلتے ہی ترے دنیا بدل گئی — گویا وہ آسماں نہیں اب وہ زمیں نہیں

ترکِ ستم وہ کیا کرے وہ رحم کیا کرے — اپنی ستمگری ہی کا اس کو یقیں نہیں

جوشِ جنوں میں پیرہن اپنا ہے چاک چاک — دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

نالے اگر یہی ہیں برابر تو ایک دن — یا ہم نہیں ہیں یا فلکِ ہفتمیں نہیں

---

۵ جمال عورت کے جسم کی خوشنمائی۔ ف

وہ شرمگیں ادائیں کسی کی شبِ وصال ۔۔۔ دامن سے منھ چھپا کے وہ کہنا نہیں نہیں

قاصد وہ آئیں[1] اور یہاں افترا ہے یہ ۔۔۔ باور نہیں یقین نہیں دلنشیں نہیں

کس کام کا وہ دل نہ ہو جس میں کسی کی یاد ۔۔۔ کیا رونق اس مکاں کی جس میں مکیں نہیں

سرگشتگانِ عشق کو تربت میں چین ہے ۔۔۔ کچھ سر پہ آسماں تو زیرِ زمیں نہیں

سودائے عشق اور پھر اس پر یہ حالِ ہجر ۔۔۔ مونس نہیں، انیس نہیں ہمنشیں نہیں

قسموں پہ قسمیں لاکھ وہ کھائیں مگر خیال
ہم کو تو ان کے وعدے کا مطلق یقیں نہیں

---

دردِ دل سوزِ نہاں کس سے کہوں ۔۔۔ عشق کی بے تابیاں کس سے کہوں

سننے والا کون مجھ بیکس کا ہے ۔۔۔ بیکسی کی داستاں کس سے کہوں

تم وہاں ہو مجمعِ اغیار میں ۔۔۔ کیا گزرتی ہے یہاں کس سے کہوں

ان کو اپنے پاسباں کا پاس ہے ۔۔۔ میں جفائے پاسباں کس سے کہوں

کون ہے رہبر طریقِ عشق میں ۔۔۔ راہ کی دشواریاں کس سے کہوں

قیدِ ہستی میں نہیں[2] کیا کیا عذاب ۔۔۔ اے اجل یہ سختیاں کس سے کہوں

دوست ہے تو مجھکو[3] تجھ بن دہر میں ۔۔۔ حالِ دل اے بدگماں کس سے کہوں

کوئی سنتا ہی نہیں میری یہاں ۔۔۔ یا خدا جاؤں کہاں کس سے کہوں

کس سے لکھواؤں سفارش اے خیال
سب تو ہیں نامہرباں کس سے کہوں

---

[1] وہ اور آئیں (خ) [2] ہزاروں ہیں عذاب (خ) [3] اصل تجکو (ف)

فردوس میں کبھی ہو گی یہی آرزو ہمیں
مل جائے کاش حور کے بدلے میں تو ہمیں

کیا وصل میں سناتے ہو ذکرِ عدو ہمیں
اس طرح کی پسند نہیں گفتگو ہمیں

ناصح کو لاگ ہم سے عداوت رقیب سے
تو بھی ستا لے اے فلکِ کینہ خو ہمیں

رہبر ٹھہر تو منزلِ دلبر یہی نہ ہو
گم گشتہ دل کی اپنے کچھ آتی ہے بو ہمیں

محشر میں ہو جو داورِ محشر کا سامنا
کہتے ہیں تیرے جور ترے روبرو ہمیں

تو کیا ڈرا رہا ہے بیانِ عذاب سے
واعظ ہے یاد آیۂ لاتقنطوا ہمیں

دیکھیں پسند آپ کی اچھی ہے یا بری
نظارۂ رقیب کی ہے آرزو ہمیں

آنسو بہائے فاتحہ پڑھ کر سرِ مزار
جب خاک میں ملا چکے دی آبرو ہمیں

بلبل ہے گل پہ شیفتہ قمری ہے سرو پہ
پروانے کو ہے شمع پسند اور تو ہمیں

مانگیں گے چشمِ یار سے ڈورا نگاہ کا
کرنا پڑا ہے چاکِ جگر کو رفو ہمیں

طالب ہیں دونوں یہ تو ہے اک نسبت اے حسیں
غیروں کی تجھ کو ڈھونڈ تری جستجو ہمیں

جانا ہے پاک پیرِ مغاں کی جناب میں
تھوڑی شراب چاہئے بہرِ وضو ہمیں

ایمان کی کہیں گے ہم ایماندار ہیں
دل کی یہ ہے کہ دل سے بھی پیارا ہے تو ہمیں

کم ظرف دو ہی جرعوں میں ساقی بہک چلے
تو دیکھ دے پلا کے سبو پر سبو ہمیں

بسمل کا یہ اشارہ ہے قاتل کی تیغ سے
ہو سرخرو کہ تو نے کیا سرخرو ہمیں

سجدہ کریں نماز پڑھیں شکر ہے خیالؔ
مدت میں اب ملا وہ بتِ خوبرو ہمیں

آنکھیں دن رات رو رہی ہیں
یہ چشم ہے چشمہ ہو رہی ہیں

آفت ہیں تیری نکیلی پلکیں
دل میں نشتر چبھو رہی ہیں

---

۱؎ صنم کینہ خو (نسخ) سے آیت پاک لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ کی طرف اشارہ ہے۔ ف

کیسی الفت کہاں وفا اب     یہ باتیں نام کو رہی ہیں

سب مٹ گئیں نیکیاں جہاں سے     سو میں کہیں ایک دو رہی ہیں

ہم کیا جتنی خلقتیں ہیں     اس پر سب جانیں کھو رہی ہیں

آپ خجلت سے آنکھیں رو کر     دھبے عصیاں کے دھو رہی ہیں

دل کی تربت میں آرزوئیں     میت کی طرح سو رہی ہیں

جیسی اب رہی ہیں جفائیں     پہلے بھی کبھی کبھو رہی ہیں

ترچھی نظریں خیال ان کی

کانٹے مرے حق میں بو رہی ہیں

غیر آپس میں جب جھگڑتے ہیں     بیچ میں ناحق آپ پڑتے ہیں

اُس کی محفل میں غیر اکڑتے ہیں     ہم یہاں ایڑیاں رگڑتے ہیں

اقربا، آشنا، عزیز احباب     عشق میں سب کے سب بگڑتے ہیں

شکوۂ ہجر سن کے وہ بولے     لو، گڑے مردے اب اُکھڑتے ہیں

حیلے کرتے ہیں وہ ستم کے لئے     جھوٹے الزام دل سے گڑھتے ہیں

جان جو کھو رہے راہِ اُلفت میں     روز دشمن بیٹھے مارے پھرتے ہیں

کوئے جاناں میں گڑ گئے ہیں قدم     جیتے جی اب یہ کیا اُکھڑتے ہیں

مانتے ہی نہیں کسی کی بات     جب کسی بات پر وہ اڑتے ہیں

عالمِ انقلاب ہے دنیا     کل بسے گھر جو آج اُجڑتے ہیں

خوش ہیں جانباز تیرے مقتل میں     پھولے جاتے ہیں پھیلے پڑتے ہیں

کان بھرتے ہیں غیر جا جا کر     کچھ نہ کچھ روز اُن سے جھڑتے ہیں

خونِ بسمل سے کوئے قاتل میں     ہے وہ دلدل کے پاؤں گڑتے ہیں

رہروِ عشق ہوشیار رہے     جیتے جیتے یہ بیچ پڑتے ہیں

ہجو مے[1] کر رہا ہے منبر پر — منہ سے واعظ کے پھول جھڑتے ہیں

اے دلِ کام جو نہ اتنا ڈر — وہ بناوٹ سے بھی بگڑتے[2] ہیں

رند خوش ہیں بہار آئی ہے — اینڈتے پھرتے اکڑتے ہیں

رہیں پیری میں کیا حواس بجا — پتّے فصلِ خزاں میں جھڑتے ہیں

میرے اشکوں سے ایسی تر ہے زمیں — آتے جاتے کے پاؤں گڑتے ہیں

گفتگو اُن سے کیا کرے کوئی — وہ تو ہر بات پر بگڑتے ہیں

جستجو میں چلے ہیں اُس کے خیال
دیکھئے کب نصیب لڑتے ہیں

---

اب آپ کہیں ہیں ہم کہیں ہیں، اغیار سنا ہے ہم نشیں ہیں
خلوت کے جو یار بنتے ہیں ہیں وہ دن بھی ہیں یاد یا نہیں ہیں
قسمیں کھا کے حلف اُٹھا کے دیکھا نہیں قول سے پلٹتے
بیکار ہیں ان کے عہد و وعدے جھوٹے بخدا یہ نازنیں ہیں
چکمہ، فقرہ، دغا، بہانہ ان باتوں میں آپ ہی یگانہ
ورنہ خالی نہیں زمانہ دنیا میں اور بھی حسیں ہیں
عاشق کو خیالِ آبرو کیا سمجھا کریں اہلِ شہر رُسوا
جانا مجھے ہر گلی میں ٹھہرا سنتا ہوں کہ وہ یہیں کہیں ہیں
اللہ اللہ رے شانِ قدرت یہ خُشی، یہ خال و خط یہ رنگت
دیکھی ہے جنھوں نے تیری صورت، وہ قائلِ صورت آفریں ہیں

---

[1] گالیاں دے رہا ہے رندوں کو (رخ) [2] تصحیح قیاسی۔ ف

بے شبہ تو امتحان کر لو آئینہ دیکھو مجھ کو دیکھو[1]

تم پر پیار آئے وہ تمہیں ہو جس کو پیار آئے وہ ہمیں ہیں

یہ تو نہ کہو خیال کیا ہے مانا میں نے کہ وہ بُرا ہے

باتوں میں تو اس کی ایک مزا ہے اشعار تو اسکے دلنشیں ہیں

دل جگر کچھ درد سے خالی نہیں مختصر یہ ہے کہ خوش حالی نہیں

کیوں نہ غارت گر کہوں اس آنکھ کو کیا وہ دل کی لوٹنے والی نہیں

میں جو کہتا ہوں ترحم کیجیے کہتے ہیں اس کی تو خو ڈالی نہیں

یاس و حسرت کا ہوا دل میں ہجوم نام کو بھی فارغ البالی نہیں

تو نے ساقی مفت ہی کھو دی بہار مے پیالی میں کبھی ڈھالی نہیں

کیا نہیں ملتا تری سرکار سے غم نہیں، جھڑکی نہیں گالی نہیں

میرے جن شعروں میں ہے مضمونِ وصل ان کو وہ کہتے ہیں یہ حالی نہیں

جان لیوا ہے یہ سختی ہجر کی زندہ ہرگز چھوڑنے والی نہیں

تیرگی بخت اپنی کیا کہوں آتی تو لیفیں بھی تو ری کالی نہیں

مرغ دل کا کھیلتا ہے تو شکار جال ہے تُرخ پر ترے جالی نہیں

خاک ہو کر ہم پڑے ہیں راہ میں اور ان کو شوق پامالی نہیں

کہتے ہیں فرقت کے صدمے کیوں سہے تو نے تھوڑی سنکھیا کھالی نہیں

کیوں خفا ہوتے ہو ذکرِ غیر پر اک حکایت ہے کوئی گالی نہیں

غیر کے مرنے کا شاید سوگ ہے کان میں بالا نہیں بالی نہیں

ہوشیار اے رہروِ راہِ طلب رہزنوں سے منزلیں خالی نہیں

---

[1] اصل مجکو (ف) [2] حالاتِ غم (خ)

عام ہے درد محبت اے خیالؔ
کوئی دل اس درد سے خالی نہیں

---

دوست بن کر بھی بھلا دوست کا چاہو کہ نہ ہو
تمہیں انصاف کرو تم سے گلا ہو کہ نہ ہو

تو بھلا ہی ہے میرا تجھ سے بھلا ہو کہ نہ ہو
تو ہی ہے کام روا کام روا ہو کہ نہ ہو

دلِ بیتاب کو تسکین بھلا ہو تو گئی
اس نے وعدہ کیا وعدہ وفا ہو کہ نہ ہو

جھوٹ سچ اک نہ اک الزام لگانا ان کو
جُرم کچھ ہو کہ نہ ہو کوئی خطا ہو کہ نہ ہو

مے پرستی میں مجھے قید نہیں موسم کی
فصلِ گل ہو کہ نہ ہو ابر ہوا ہو کہ نہ ہو

چارہ گر اپنی سی بیچارہ کئے جاتا ہے
اب یہ بیمار کی تقدیر شفا ہو کہ نہ ہو

کچھ سہی وجہ مگر توبہ پہ قائم تو ہے شیخ
ڈر شماتت ہی کا ہو خوفِ خدا ہو کہ نہ ہو

خوبرویوں سے سنی ہے یہ شکایت اکثر
شکوہ عشاق کی عادت ہے جفا ہو کہ نہ ہو

جب چلا قافلہ لیلیٰ کا ہوئی قیس کو فکر
ساز گار اس کو نئی آب و ہوا ہو کہ نہ ہو

کان تک اس کے پہنچ کر نہ دکھائی تاثیر
تجھ سے اے آہ رسا مجھکو گلا ہو کہ نہ ہو

معذرت وعدہ خلافی کی لکھی تو اس نے
دل سے ہو خواہ نہ ہو عذر بجا ہو کہ نہ ہو

ہوتی آئی ہے کہ مجرم کو سزا دیتے ہیں
اے دل اس جرم محبت کی سزا ہو کہ نہ ہو

اُس نے تسلیم مرا حق وفا کر تو لیا
آگے اب حقِ وفا اس سے ادا ہو کہ نہ ہو

لاکھ تدبیر کرے کوئی دعا مانگے ہزار ۔
کیا ہو وہ بات جو منظورِ خدا ہو کہ نہ ہو

فیضِ ساقی سے پہنچ رہتی ہے گھر بیٹھے شراب
راہِ میخانہ درِ میکدہ وا ہو کہ نہ ہو

طلب اس کی ہے تو چل ڈھونڈ نکل گھر سے خیالؔ
زادِ رہ ہو کہ نہ ہو راہ نما ہو کہ نہ ہو

---

لہ نذیر ۔ سلہ چوبیدِ (نخ) سہ مجرم کو سزا ہوتی ہے ھہ چل گھر سے نکل ڈھونڈ (نخ) ٹہ اس مجکو دف

فتنہ گر ہے تری آنکھوں میں بلا کا جادو — کس فسوں ساز نے ان کو یہ سکھایا جادو

دل مرا لیگئے وہ چلتے ہوئے یہ کہتے ہوئے — دیکھ لے تو نے جو دیکھا نہ ہو چلتا جادو

دھوم ہے اس لبِ اعجاز نما کی جب سے — ہو گیا گوشہ گزیں صورتِ عنقا جادو

ذبح کے بعد غش آیا تجھے کیوں اے قاتل — نگہ یاس نے بسمل کی کیا کیا جادو

ان فسوں کار حسینوں کو مسخر کرتے — کوئی اے کاش سکھاتا ہمیں ایسا جادو

سحر کا نام لڑکپن سے سنا کرتے تھے — آج آنکھوں سے تری آنکھ میں دیکھا جادو

گو رقابت ہو مگر ہم سے تو شرمائیں گے — کاش ناصح یہ کبھی چل جائے تمہارا جادو

حسن کا سحر فرشتوں پہ بھی چلتے دیکھا — دلِ ہاروت پہ زہرہ نے کیا تھا جادو

جیسا ان آنکھوں میں ہم دیکھتے ہیں سحر خیالؔ — سامری کا تو تو ایسا نہ سنا تھا جادو

---

رند وہ ہوں میں کہ جنت میں بھی یہ دستور ہو — ساغر مے ہاتھ میں اپنے بغل میں حور ہو

روئے انور سے جو وہ خورشید رو الٹے نقاب — روزِ روشن کی طرح روشن شبِ دیجور ہو

آنکھ اٹھا کر بھی نہیں تم عاشقوں کو دیکھتے — اے بتو اللہ اکبر کس قدر مغرور ہو

فکر ہم رندوں کو رہتی ہے یہی بس رات دن — باغ ہو، مطرب ہو، ساقی ہو، مئے انگور ہو

جب تمنّا وصل کی کرتا ہوں ان سے اے خیالؔ
کہتے ہیں کس ناز سے جھنجلا کے چل ہٹ دور ہو

قاضی و واعظ آئے ہیں واجب الاحترام دو — کورے ابھوتے دیکھ کر بھیجو ان کو جام دو

پھبتی یہ سوجھی دیکھ کر زلفِ سیاہ فام دو — مشک سے دستِ صنع نے خوب لکھے ہیں لام دو

اشک کو پی گئے کبھی، پھوٹ کے رو دیے کبھی — چھُٹ گئے اور مشغلے رہ گئے بس یہ کام دو

یہ بھی ہے کوئی منصفی بزم میں اپنی بے سبب — مجھ کو[1] نہ آنے دو کبھی غیر کو اذنِ عام دو

---

[1] اصل مجکو۔ ف

عقل اُدھر ہے دل اِدھر کس کی میں اقتدا کروں　　ایک نمازِ عشق کی اور بنے امام دو

ساقیِ مہر چہر کی آنکھوں کا وصف کیا کہوں　　بادۂ نور سے بھرے نور کے ہیں یہ جام دو

وصل ہے گر تو "خوش نصیب" ہجر ہے جب تو "بد نصیب"　　وہ کبھی اور یہ کبھی، ہیں غرض اپنے نام دو

کڑوی ہی آنکھ سے سہی دیکھ تو لو ہمارا حال　　کچھ تو بجھے گی تشنگی نہ زہر بھرا ہی جام دو

آفتِ جاں ہیں دونوں ہی اس کا ستم بھی ناز بھی　　دونوں بلائیں ایک ہیں صرف برائے نام دو

وعدہ وصل کی ہوس رکھتے ہو اس سے کیا خیال

ایک ہی پختہ کار تم پھر یہ خیالِ خام دو

وہ ظالم جس کی بے رحمی کا شاکی ایک عالم ہو　　غضب ہے اُس پہ دل آئے اسی کے عشق کا غم ہو

ذرا دل کو قرار آئے ذرا تسکیں تو ہمدم ہو　　کہوں گا وجہ بیتابی جو بیتابی ذرا کم ہو

اِدھر شوقِ وفا دونا ہو یارب ناز اُدھر دونا　　دعائیں تو یہ کرتا ہوں نہ یہ کم ہو نہ وہ کم ہو

نہ دیگا جان کون اپنی یہ کس سے دیکھا جائے گا　　عدو کے غم میں چشمِ سرمہ آلود اس کی پُرنم ہو

اثر اہلِ صفا کا جو ہر قابل کو ہوتا ہے　　یہ نا ممکن ہے نخلِ خشک کو فیضانِ شبنم ہو

ہماری آہ آتشبار پر بولے وہ محفل میں　　یہ جنت میں رہیں جا کر تو جنت بھی جہنم ہو

کہیں وہ بوالہوس سے رازِ دل مجھ سے چھپا رکھیں　　قیامت ہے کہ نا محرم ہو محرم غیر محرم ہو

بجا ہے سچ ہے زاہد مے کہاں اس پاک خلوت میں　　مگر اب تک نہ دیکھا تھا کہ رنگیں آبِ زمزم ہو

یہ کیا انداز ہے آئے ہو تو چپ چاپ بیٹھے ہو　　مزہ ملنے کا تو یہ ہے نیاز و ناز باہم ہو

بھلا تم اور میری خاک پر آنسو بہاؤ گے　　غنیمت ہے اگر آ کر شریکِ بزمِ ماتم ہو

بہارِ حسن دونی ہو گئی آبِ خجالت سے　　نزاکت پھول کی بڑھ جاتی ہے جب اس پہ شبنم ہو

جو وہ ناوک فگن آئے سرِ تسلیم جھک جائے　　اُدھر سیدھا کرے وہ تیر کو گردن اِدھر خم ہو

نگاہِ لطف جو ہم عاشقوں کے حق میں جنت تھی　　غضب ہے گرم ہو کر اب وہ جنت ہی جہنم ہو

نہ آئیں وہ، نہ ان سے میری حالت دیکھی جائیگی　　نہ دیکھا جائے گا مجھ سے کہ چشمِ ناز پُرنم ہو

خیال اُن سے غم دل کیا کہوں دھڑکا یہ رہتا ہے
بیانِ غم کے سننے سے مبادا اُن کو بھی غم ہو
مرا حال سننا ہے منظور شاید جو ارشاد ہوتا ہے یہ قصّہ خواں کو
کسی کے تڑپنے کا جس میں بیاں ہو سنانا ہمیں آج اس داستاں کو
اگر قتل کرنے کا کچھ ہے ارادہ تو کیوں کرتے ہو اتنا سامان زیادہ
اشارہ ہے ابرو و مژگاں کا کافی نہ شمشیر کھینچو نہ تو لو سناں کو
نہ پوچھو شب وعدہ کی بے قراری رہی اشکباری رہی آہ و زاری
انھیں مشغلوں میں کٹی رات ساری کبھی در کو دیکھا کبھی آسماں کو
بہت ناز خورشید کو ہے چمک پر بڑا غرّہ مہتاب کو ہے دمک پر
چکا چوندھ لگ جائے سب کو فلک پر دکھا دوں اگر اپنے داغِ نہاں کو
محبت نے ہم کو نہ رکھا کہیں کا ٹھکانا رہا کچھ نہ دنیا و دیں کا
ہوا عشق کیا ایک کافر حسیں کا کہ کھو بیٹھے ایک بار دونوں جہاں کو
یہیں ہم کو جینا یہیں ہم کو مرنا یہیں رہ کے دن زندگانی کے بھرنا
نہ اٹھیں گے حاشا کبھی ترے در سے نہ چھوڑیں گے ہرگز ترے آستاں کو
خیالؔ اس کریمی کے صدقے گئے ہم گنہگار بندوں پہ کیا کیا کرم ہیں
مہیا کئے پھول پھل کیسے کیسے ملے تازگی جن سے روح رواں کو

شرطِ کمالِ عشق ہے لب پر فغاں نہ ہو
خاموش یوں زباں رہے گویا زباں نہ ہو
وہ دل مجھے ملا جو کبھی شادماں نہ ہو
معشوق وہ جو بھول کے بھی مہرباں نہ ہو
جس گھر میں اہلِ درد ہوں شور فغاں نہ ہو
آباد مسجد اور پھر اس میں اذاں نہ ہو

---

لے جس دل میں سوزِ غم رہے (خ)

یہ تو نہیں وہ سنتے نہیں داستانِ عشق
صرف اس کی قید ہے کہ مری داستاں نہ ہو

جاتا ہوں بزمِ غیر میں اُس کی تلاش کو
پھر یہ کبھی کہہ رہا ہوں وہ یارب وہاں نہ ہو

سُن کر مرا سوال وہ اس طرح چُپ رہے
جیسے خدانخواستہ منہ میں زباں نہ ہو

مشقِ ستم کی سوجھی ہے ان کو شباب میں
ان کی بہار ہی کہیں مری خزاں نہ ہو

گھر سے دلِ ستم زدہ تو لے چلا کہاں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہ ہو

صیاد جیتے جی اسے رکھ کر چمن سے دُور
تربت پہ عندلیب کی اب گل فشاں نہ ہو

کیا بھولے پن کے بیٹھے ہیں عاشق کی لے کے جاں
کوئی جو دیکھے قتل کا ان پر گماں نہ ہو

افشائے رازِ عشق سے بدتر نہیں گناہ
دل میں ہزار درد ہو لب پر فغاں نہ ہو

کیا جاؤں بزمِ وعظ میں ہوتا ہے ذکرِ حور
مجھ سے وہ رشکِ حور کہیں بدگماں نہ ہو

دل کو نہ لوٹ لے کہیں اُس کا یہ التفات
خود رہنما ہی راہزنِ کارواں نہ ہو

کیا کم ہے یہ شرف کہ گدا اس کے در کا ہوں
ناصح بلا سے اور کوئی عز و شاں نہ ہو

پھر اس کے حق میں دام و قفس دونوں ایک ہیں
بلبل کا شاخِ گل پر اگر آشیاں نہ ہو

ایسا کسی حسین کا قصہ سنا نہیں
جس میں کچھ اُس کے جور و ستم کا بیاں نہ ہو

ناصح مرے سکوت سے گستاخ ہو گیا
منہ میں زبان رکھ کے کوئی بے زباں نہ ہو

طولِ عمل کا اپنے بیاں کیا کروں خیالؔ
ہو ختم عمر ختم مگر یہ بیاں نہ ہو

کہا جو میں نے دکھا نشہ شراب کی آنکھ
نقاب الٹ کے دکھانے لگا عتاب کی آنکھ

یہی صبا کے اشارے ہیں چشمِ نرگس کے
کہ لاجواب ہے اس شوخ لاجواب کی آنکھ

جوان پسند ہے آنکھ اپنی نوجوانی میں
شباب تاکتی رہتی ہے یہ شباب کی آنکھ

مجھے جو کام ہے دن رات اشکباری سے
ملی ہے مجھ کو الٰہی مگر سحاب کی آنکھ

گناہ گار ہے اک بار دیکھ لینے کی
اسی گنہ سے ہوئی مستحق عذاب کی آنکھ

مرے کلام میں وہ منتخب مضامیں ہیں  ہر اک شعر کو جچتی ہے انتخاب کی آنکھ

یہ اک عزیز کی خاطر سے لکھے ہیں اشعار
خیالؔ ورنہ ہے مہمل ہی آب و تاب کی آنکھ

نہیں عرضِ حاجت کی حاجت زیادہ  خود آگاہ ہیں خود بدولت زیادہ

کبھی تم سے الفت مری کم نہ ہوگی  دکھایا کرو لاکھ نفرت زیادہ

مری حسرتوں کا نہ کر خونِ ناحق  ستم کی ترے ہوگی شہرت زیادہ

نئے آبلے سے بڑھا لطفِ دل کا  نئے پھل میں ہوتی ہے لذّت زیادہ

خلوص اُس میں کمتر ہی پایا ہے اکثر  جتائی ہے جس نے محبّت زیادہ

خوشامد جو کرتے ہیں منھ پر بہت کچھ  وہی بیٹھ پیچھے شکایت زیادہ

تمہیں اور بھی قدر اس دل کی ہوگی  کھلے گی جو اس کی حقیقت زیادہ

بڑی تیری ہمّت بڑا دل ہے ساقی  ترا خانہ آباد دولت زیادہ

خبر اُس کی شاید نہیں تم کو ناصح  ضد آتی ہو جب ہو نصیحت زیادہ

درِ یار کی خاک مسند سے بہتر  گدائی میں شاہی سے راحت زیادہ

یہ نادم ہوئے سُن کے وہ میرے شکوے  ہوئی آپ مجکو ندامت زیادہ

ہوئی میری حیرت سے حیرت جو اُس کو  بڑھی اور بھی اپنی حیرت زیادہ

یہ مانا کے منعم میں خسّت ہے لیکن  بتاتے ہیں سائل بھی حاجت زیادہ

بڑھی اور غصّے میں چہرے کی سُرخی  کھلی چشم بد دور رنگت زیادہ

مزہ عشق دیرینہ کا اور کچھ ہے  مے کہنہ دیتی ہے لذّت زیادہ

خیالؔ اُس کی ہر ایک نعمت ہے اچھی
مگر سب سے توفیق طاعت زیادہ

کیا قدر اس کی جس کا نہ ہو اعتبار کچھ ۔۔۔ جنچتی نہیں یہ ہستیِ ناپائیدار کچھ

مطلب کی مانتا نہیں وہ گلعذار کچھ ۔۔۔ منت ہزار کیجیے کہیے ہزار کچھ

سنتے ہیں ساتھ جبر کے ہے اختیار بھی ۔۔۔ لیکن مجھے تو دل پہ نہیں اختیار کچھ

یارب نگاہ تھی وہ کسی کی کہ تیر تھا ۔۔۔ سینے سے ہو گیا ہے مرے وارپار کچھ

تجھ پر ستم بھی وہ نہ کریں گے کرم تو کیا ۔۔۔ اُمید رکھ نہ اے دلِ امیدوار کچھ

لکھا جواب خط کا جو خطِ غبار سے ۔۔۔ کیا مجھ سے اس کے دل میں ہے قاصد غبار کچھ

دشنام اگر نہیں تو یہ ہے کوسنا خیال
ہونٹوں میں کہہ رہا ہے وہ بُت بار بار کچھ

جھگڑے رہا کیے دلِ شوریدہ سر کے ساتھ ۔۔۔ دشوار ہو گیا سفر اس ہمسفر کے ساتھ

نیکی بدی ہے روزِ ازل سے بشر کے ساتھ ۔۔۔ انسان کا خمیر بنا خیر و شر کے ساتھ

دل کی بھی خیر مانگ رہا ہوں جگر کی بھی ۔۔۔ دونوں[۱] کی ناک میں ہیں وہ ترچھی نظر کے ساتھ

ہر پھر کے کیوں نہ آئے مرے دل میں انکی ناز ۔۔۔ ہوتا ہے اُنس سب کو ضرور اپنے گھر کے ساتھ

اے سیلِ اشک خانۂ دشمن بھی پاس ہے ۔۔۔ کیوں تجھکو بغض ہے مری دیوار و در کے ساتھ

جو رنگ کاٹتی ہے وہ تیغِ نگاہِ ناز ۔۔۔ ارمانوں کا بھی خون ہوا دل جگر کے ساتھ

کل جس گلی میں کھو چکے دل پھر وہیں چلے ۔۔۔ دلبستگی کچھ ایسی ہے اس رہگزر کے ساتھ

ہمراہِ خضر جا کر سکندر کو کیا ملا ۔۔۔ قسمت ہے ہر بشر کی جُدا ہر بشر کے ساتھ

جب تک یہ دل ہے دل سے نہ جائیگا ترا عشق ۔۔۔ جبتک یہ سر ہے زلفوں کا سودا ہے سر کے ساتھ

زردِ گنہ کو دھوئیں گے یہ اشکِ انفعال ۔۔۔ وابستہ ہے امید میری چشمِ تر کے ساتھ

کیا خواب میں وہ کاکلِ مشکیں بکھر گئیں ۔۔۔ آئی جو بوئے مشکِ نسیمِ سحر کے ساتھ

---

[۱] برچھی لگائے ہیں ۔ (ن خ)

واعظ نے پی کے میکدے میں واعظ بھی کہا
آئی جو بوئے مشکِ نسیمِ سحر کے ساتھ

ہمراہ وہ رقیبوں کے نکلا ہے سیر کو
سو فتنے ہمرکاب ہیں اس فتنہ گر کے ساتھ

کیا جانے لے[1] چلا ہے ہمیں جوشِ بے خودی
رہزن کے ساتھ جاتے ہیں یا راہبر کے ساتھ

کیا مجکو اس کے وعدۂ مشروط کی خوشی
عہد وفا کیا ہے مگر اور اگر کے ساتھ

دھوکا ہے عاقبت کا بقولِ صبا خیال
"انجام ہو بخیر کہ شر ہے بشر کے ساتھ"

---

جو ہیں مدحِ خیر الوریٰ کرنے والے
فرشتے ہیں اُن کی ثنا کرنے والے

رقیبوں میں سب ہیں دغا کرنے والے
ہمیں ہیں ہمیں ہیں وفا کرنے والے

جوانی کی بے باکیاں کہہ رہی ہیں
کسی سے نہیں ہم حیا کرنے والے

یہ فقرے یہ جھکے انہیں دیجئے گا
جو ہوں اعتبار آپ کا کرنے والے

زہے منصفی غیر پر ہو عنایت
جفائیں سہیں ہم وفا کرنے والے

یہ لکھوا دو اپنے در پر اہنوں نے
رہیں دور ہی التجا کرنے والے

حسینوں سے بڑھ کر نظر سے نہ دیکھے
یہ ہیں منعموں کو گدا کرنے والے

وہ کہتے ہیں یہ دوستوں ہی کا حق ہے
تم آئے کہاں سے گلا کرنے والے

مرا بخت چمکا دو یا شاہِ یثرب
تمہیں ذرّے کو مہر و مہا کرنے والے

نہ سنبھلا مرا حال تھک گئے ہیں
دوا دینے والے دعا کرنے والے

بڑے فتنہ گر ہو تم اے حضرتِ دل
نہیں ہم تمہارا کہا کرنے والے

غنیمت ہے تربت پہ کہنا نہیں کا
خدا تجکو بخشے وفا کرنے والے

---

[1] کہاں: (خ)

ہمیں ایک ٹھہرے ترے عاشقوں میں
سزا پانے والے خطا کرنے والے

بتوں کی محبت چھپائے ہیں دل میں
بہت یا خدا یا خدا کرنے والے

نہیں دل سے مطلب نکالے ہی چکے دل
وہ اب پھر کہاں سامنا کرنے والے

وہ آئے ہیں خنجر بکف امتحاں کو
کدھر چھپ گئے ہیں دغا کرنے والے

غضب ہے کہ انعام دشنام پائیں
تمہاری دعا و ثنا کرنے والے

خیالؔ آپ کیوں سر پٹکتے ہیں ناحق
نہیں وہ خیال آپ کا کرنے والے

مانے کسی کی وہ نہ کسی کا کہا کرے
کیا اس اکل کھرے سے کوئی التجا کرے

آجائے جلد روزِ قیامت خدا کرے
تو آئے مجھ سے صلح کی خود التجا کرے

دو باتیں مان لے وہ ہماری خدا کرے
وعدہ کرے وفا کا پھر اُس کو وفا کرے

مخمور کر دیا تری چشم سیاہ نے
جس طرح مست رند کو کالی گھٹا کرے

دیکھا کہ مجھ میں طاقتِ پرواز اب نہیں
صیاد کیا عجب ہے کہ قفس سے رہا کرے

یہ کہہ کر اس نے حشر میں خاموش کر دیا
وہ باوفا ہے آج جو مجھ سے وفا کرے

کس طرح دل سے الفتِ ابرو نکال دوں
ناخن کو گوشت سے کوئی کیوں کر جُدا کرے

اُس جاں بلب کی موت سے بدتر ہے زندگی
اغماض جس سے تو کرے غمزے قضا کرے

ملنے کا وعدہ کرتے ہو محشر میں تو سہی
دل ایک آہ میں ابھی محشر بپا کرے

اب سب دعائیں چھوڑ کے رہتی ہے یہ دعا
اللہ تیرے دل کو میرا مبتلا کرے

کہتا ہے چارہ گر مرضِ عشق کو جنوں
دیوانہ اپنے ہوش کی جا کر دوا کرے

دھو ڈالتے جو چھائی تھی وہ چینز شیخ جی
رسوا کہیں نہ داغ یہ دستار کا کرے

وہ کہہ رہے ہیں مجمع محشر میں بار بار
پائے خدا سے جو کوئی میرا گلا کرے

فرقت میں زرد ہو کے ہوئے کہربا تو کیا
بیکار ہے کشش نہ اگر کہربا کرے

تم کو عدو کا سوگ ہے چہرہ گواہ ہے
کیا فرض ہے یہی کوئی ماتم بپا کرے

تدبیر کرتے کرتے تھکے یار غمگسار
تقدیر ہی بُری ہو تو پھر کوئی کیا کرے

میری خوشی یہی ہے کہ وہ خوش رہے خیالؔ
اُس کی خوشی کرم وہ کرے یا جفا کرے

درد کی جو کوئی دوا جانے
وہی کچھ عشق کا مزہ جانے

کوئی دل کی کسی کے کیا جانے
غیب کی بات کو خدا جانے

ہم تو دانا اسی کو کہتے ہیں
جو حسینوں کو بے وفا جانے

دل گُم گشتہ کا جو پوچھا حال
بولے منھ پھیر کر خدا جانے

یہ ہے کسب کمال میں داخل
انتہا کو جو ابتدا جانے

میکدے میں پڑے تھے کل زاہد
کون آج اُن کو پارسا جانے

حُسنِ ظن، بس اسی کو کہتے ہیں
کہ ہر ایک چیز کو بھلا جانے

عاشقی کے لئے ہے شرط خیالؔ
کہ جفاؤں کو بھی وفا جانے

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے جب دھیان تمہارا آتا ہے
چپکے چپکے روتا ہوں، دم گھٹتا ہے جی گھبراتا ہے

پہلے تو سر پہ چڑھاتا ہے پھر خاک اے دل جھنواتا ہے
جس سے وہ آنکھ ملاتا ہے مٹی میں اس کو ملاتا ہے

میری مژگاں دیکھ کے پُرنم فرماتے ہیں وہ ہنس ہنس کر
یہ ابر سیہ دیکھیں تو سہی کتنے موتی برساتا ہے

آنکھیں کھولو کھل کھیلو شب وصل کی گزری جاتی ہے
شوخی وہ تمہاری کیا ہوئی آج اتنا بھی کوئی شرماتا ہے

غماز رقیب اک تھیلی کے دونوں چٹے بٹے ہیں
یہ بھی اس کو شہ دیتا ہے وہ بھی اُس کو بہکاتا ہے

انصاف تو یہ ہے میرے لئے تم سے بھی تمہارا دھیان اچھا
فرقت میں تم تڑپاتے ہو یہ آکے مجھے بہلاتا ہے

سارے گاہک سودا لے کر افسوس چلے اپنے گھر کو
ہم نے دکان لگائی اب بازار جب اٹھا جاتا ہے

لاکھوں خم ہیں لاکھوں شیشے سب مے سے بھرے سب مہر پڑے
تجکو ہے کمی کیا اے ساقی ناحق جو مجھے ترساتا ہے

ٹھنڈی ٹھنڈی سانس سے میری آجاتی ہے ان کے لب پہ ہنسی
چلتی ہے نسیم چمن میں جب فوراً غنچہ کھل جاتا ہے

اس رٹ نے ان کی وصل کی شب جی بھر کے پیار نہ کرنے دیا
ہٹ کر بیٹھو کہنا مانو دیکھو وہ کوئی آتا ہے

غم غصہ روز ازل ہی سے عاشق کی غذا چلی آتی ہے
روکھا سوکھا لیتا ہوں جو کچھ کہ میسر آتا ہے

کیوں چپ ہے خیال اب سوچ ہے کیا کیسی دُھن ہے کس کی دھن ہے
یہ حال ہے کیا کچھ کہہ تو سہی یاروں سے بھی کوئی چھپاتا ہے

زمیں موسیٰ نہ تو اے بت خدا ہے | یہ کیسی لن ترانی کی صدا ہے
یہ کہے مجھ سے دل تیرا برا ہے | برا ہے یا بھلا مال آپ کا ہے
مر آنکو مرے دشمن سے اے دوست | مجھے اس بات کا تجھ[۳] سے گلا ہے

---

[۳] اصل تجھ (ف)

چڑھی ہے تیوری بیٹھے ہو خاموش — بتاؤ تو سہی کیا ماجرا ہے

جسے سب آہ کہتے ہیں وہ دراصل — شکستِ شیشۂ دل کی صدا[1] ہے

بھلا میری عیادت کو تم آتے — بُری حالت میں مجھ کو دیکھتا ہے

کہوں کیا کیا تمہاری بزم کا حال — تمہارے ہم نشینوں سے سُنا ہے

ستم سہہ کر ستم گاری سکھا دی — قصور اپنا ہے اس کی کیا خطا ہے

دلِ بیتاب دم نکلے تو نکلے — نہ نکلے اُف یہی شرطِ وفا ہے

نہ دیکھو آئینے میں مجھ سے پوچھو — نگاہِ ناز کیا برقِ بلا ہے

رقیب اس طرح گستاخی نہ کرتا — یہ اپنے منہ لگانے کی سزا ہے

میری حیرت بنی آئینہ حسن — وہ آپ اپنا تماشائی بنا ہے

عجب لذت ہے کیفِ بےخودی میں — بڑی نعمت دلِ بے مدعا ہے

سرِ بزم آنکھ دشمن سے لڑا کر — کنکھیوں سے مجھے وہ دیکھتا ہے

شکایت اُن کو ہے میری فغاں سے — مجھے اُن کے تغافل سے گلا ہے

ملے گا ابر تم بھی کہہ دو آمین
خیال اس وقت مصروفِ دعا ہے

حُسن اس کا حسینوں سے سوا اور ہی کچھ ہے — انداز و ادا نامِ خدا[2] اور ہی کچھ ہے

بچپن سے اب اسکی ہر ادا اور ہی کچھ ہے — کچھ اور ہی شوخی ہے حیا اور ہی کچھ ہے

برسات میں پینے کا مزہ اور ہی کچھ ہے — ساون کی سیہ[3] مست گھٹا اور ہی کچھ ہے

دل کا تو یہ اصرار کہ فریادِ ستم کر — میں چپ کہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

---

[1] سب سے جدا (خ) [2] دھواں دھار (خ) [3] اصل تجکو (ف)

زر کے نہیں سائل تیرے دیدار کے بھوکے — اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

زاہد تجھے بخشش کی طلب مجھکو[۶] رضا کی — تیرا وہ سوال اپنی دعا اور ہی کچھ ہے

دنیا سے حذر اور ہے اللہ کا ڈر اور — زاہد اور ہی کچھ خوفِ خدا اور ہی کچھ ہے

کہتے ہو کہ فرقت ہے علاجِ مرضِ عشق — اے چارہ گرو[۱] اس کی دوا اور ہی کچھ ہے

اس نرگسِ بیمار کے[۲] بسمل ہیں ہزاروں — وہ ظالم مظلوم نما اور ہی کچھ ہے

ہر فتنے ہر آفت سے، قیامت سے بھی بڑھ کر — ان شوخ حسینوں کی ادا اور ہی کچھ ہے

قاتل ترے ہاتھوں پہ ہے گو رنگِ حنا بھی — زیبائشِ[۳] خون شہدا اور ہی کچھ ہے

وہ رحم و کرم عفو و عطا کب ہے بتوں میں — اے برہمنو شانِ خدا اور ہی کچھ ہے

وہ دیکھتے ہیں آئینہ کس ناز سے بولے — یہ حسن یہ غمزہ یہ ادا اور ہی کچھ ہے

اللہ سے ڈر آہ سے عاشق کی حذر کر — مظلوم کی مضطر کی دعا اور ہی کچھ ہے

آنکھیں ہیں تو ہر صنع میں صانع ہے نمودار — صورت سے وہ گو جلوہ نما اور ہی کچھ ہے

گو اور بھی ہیں غم کے غلط کرنے کے اشغال — شغلِ مے اندوہ ربا اور ہی کچھ ہے

مقصود انہیں اپنے شہیدوں کی ہے گنتی — گلگشت مزارِ شہدا اور ہی کچھ ہے

برچھی[۴] میں یہ تیزی ہے نہ یہ زہر میں تلخی[۵] — وہ ترچھی نظر تیکھی ادا اور ہی کچھ ہے

بخشے نہیں جاتے ہیں گنہگار بتوں کے — ہم جس کے ہیں عاصی وہ خدا اور ہی کچھ ہے

کیا ترکِ جفا سے ہو امید اس کی وفا کی — ہے ترکِ جفا اور وفا اور ہی کچھ ہے

اللہ اے خیالؔ آپ کے شعروں کی حلاوت
یہ لطف یہ لذت یہ مزا اور ہی کچھ ہے

---

۱ بیخبرو (خ)، ۲ اس نرگسِ بیمار نے لوٹا ہے دل و دیں (خ)، ۳ رنگینیٔ (خ)
۴ برچھی میں وہ کاوش ہے نہ انی میں ہے وہ زہر (خ) ۵ تاثیر (خ) ۶ اس مجھکو (ف)

قدر وفا نہ ہو جب بے سُود پھر وفا ہے
کچھ اور اب ارادہ میں نے بھی کر لیا ہے

کہنا بُرا کسی کو کب شرع میں روا ہے
کیوں لعن طعن واعظ رندوں پہ کر رہا ہے

آنے کی کس کے اے دل امید کر رہا ہے
جھوٹا زمانے بھر کا وہ ایک چالیا ہے

کیوں منہ سے کچھ کہوں میں بہتر ہے چپ رہوں میں
پھل صبر کا ملے گا انصاف در خدا ہے

آنکھوں میں کھُبنے والی دل میں اُترنے والی
تیری ہر ایک شوخی تیری ہر اک ادا ہے

تم جانو یا نہ جانو جو حال ہے ہمارا
اللہ دیکھتا ہے اللہ جانتا ہے

سیماب، شعلہ، بجلی ہیں بیقرار تینوں
عاشق کی بیقراری سب ہے مگر سوا ہے

آنکھ اس سے کیوں ملائی کیوں تو نے چوٹ کھائی
میں دل سے پوچھتا ہوں دل مجھ سے پوچھتا ہے

کچھ حد بھی ہے ستم کی آخر بشر ہیں ہم بھی
کبتک سہا کریں گے ہر شے کی انتہا ہے

جب تک بغل میں دل تھا یہ تجربہ نہیں تھا
سچ مثل ہے کہ انساں کچھ کھو کے سیکھتا ہے

ناصح تجھے خبر کیا وہ خوب رو ہے کیسا
میں کیا مٹا ہوں اس پر عالم مٹا ہوا ہے

سینے سے ہم لگائے رہتے ہیں داغِ دل کو
کیوں کر نہ ہو پیارا کسی کا دیا ہوا ہے

رسوائیوں کا تیری پھیلا خیال چرچا
جس سے جہاں ملے ہیں یہ تذکرہ سُنا ہے

آج رہ رہ کے جو یوں عذرِ جفا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوتا ہے

یوں بھی باتوں میں حسینوں کی مزا ہوتا ہے
چھیڑ دینے سے مگر لطف سوا ہوتا ہے

نشۂ حسن میں سرمست ہو تم کیا جانو
عشق کا درد کسے کہتے ہیں کیا ہوتا ہے

دل سے جاؤ گے کہاں آنکھوں سے اوجھل ہو تو
کہیں معشوق بھی عاشق سے جُدا ہوتا ہے

جو مرے دل میں خلاف اس کے ہمیشہ تقدیر
جو ترا حکم وہی حکم قضا ہوتا ہے

نالہ کرتا ہوں تو ڈر ہے تیری رسوائی کا
ضبط کرتا ہوں تو دم گھٹ کے فنا ہوتا ہے

بوالہوس سر حشر ہے صفِ عشاق نگاہوں سے گریں
منصفی شرط ہے دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے

دل کسی کا نہیں ملا تو یہ سُرخی کیسی
اس قدر شوخ کہیں رنگِ حنا ہوتا ہے

قتل کرنے کو مرے آتے ہیں وہ تیغ بکف
واہ کیا حقِ وفا آج ادا ہوتا ہے

آئینے سے ہے بجا آئینہ رویوں کی مثال
دل ذرا صاف نہیں، چہرہ صفا ہوتا ہے

کر دیئے ایک نگہ میں جگر و دل بسمل
قدر انداز کا کب تیر خطا ہوتا ہے

لذتیں عالم اُمید کی برحق، لیکن
عالم یاس میں بھی ایک مزا ہوتا ہے

میں ہمیشہ دلِ ناداں تجھے سمجھاتا ہوں
آپ کمبخت گرفتار بلا ہوتا ہے

چپ رہوں تو وہ سمجھتا ہے کچھ آزار نہیں
اور دکھ درد سناؤں تو خفا ہوتا ہے

دے چکے دل تو پھر اب روتے ہو بیکار خیالؔ
چوک جب ہو گئی پچھتانے سے کیا ہوتا ہے

---

کب سے بیٹھا ہوں التجا کے لئے
سُن لو دو باتیں اب خدا کے لئے

فیض معشوق عاشقوں کو کیا
نکہتِ زلف ہے صبا کے لئے

ناتوانی میں ناتوانی ہے
ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے

خیر ہے کچھ اس میں جو چُپ ہوں
منہ نہ کھلوائیے خدا کے لئے

کیا دلِ ناصبور لے جاؤں
نگہ صبر آزما کے لئے

درِ جاناں کی خاک ہے اکسیر
دلِ بیمار کی شفا کے لئے

سوگ میں دل کے دیئے پھوٹ بہے
آشنا رُوئے آشنا کے لئے

بھیس بدلے ہوئے رقیب کا آج
میں چلا عرضِ مدعا کے لئے

اس تغافل کی انتہا ہی نہیں
کوئی حد چاہیئے سزا کے لئے

وہ بہت منفعل ہیں دیکھو خیالؔ
چھوڑ دو شکووں کو اب خدا کے لئے

محبت کی نظر دیکھی لگاوٹ کی ادا دیکھی
رہا پہلو میں جب تک دل، نوازش بارہا دیکھی

کھچے بیٹھے رہے وہ ساری کوشش آزما دیکھی
رسائی ہونے پر بھی اپنی قسمت نارسا دیکھی

اس آزارِ محبت میں ہوئے سب تجربے باطل
نہ تاثیرِ دوا دیکھی نہ تاثیرِ دعا دیکھی

گری توبہ پہ بجلی جب فلک پر بجلیاں چمکیں
مصلی سے قدم اٹھا جہاں اٹھتے گھٹا دیکھی

اگر دل تم پہ آیا دل کی جو چاہو سزا کر لو
خفا ہو مجھ سے کیوں ناحق مری تقصیر کیا دیکھی

تلون ہی تلون خوبرویوں میں نظر آیا
کرم دیکھا، ستم دیکھا، وفا دیکھی، دغا دیکھی

صنم خانے میں آکر اور کامل ہو گیا ایماں
بتوں کو دیکھ کر نیرنگیٔ شانِ خدا دیکھی

بہت اپنی ادائیں آئینے میں تم نے دیکھی ہیں
کبھی شانِ مروت بھی ان آنکھوں میں بھلا دیکھی

ابھرتے ہیں چلے آتے ہیں دل میں داغ الفت کے
عجب اس گلزمیں کی قوت نشو و نما دیکھی

ہوا جب سامنا تیرا چڑھی ہی تیوری پائی
ہمیشہ تیری محفل میں کھچی تیغِ قضا دیکھی

کوئی چوری ہوئی کیا آپ کے گھر حضرتِ واعظ
گردِ میخانے میں کل میں نے کس کی اک عبا دیکھی

نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا نہ راتوں کے زبانوں سے
بتوں کی خو خدائی میں خدائی سے جدا دیکھی

محبت ہی سے حاصل دولتِ کونین ہوتی ہے
عجب اکسیر اسے پایا عجب یہ کیمیا دیکھی

یہاں دن رات اشک و آہ کا طوفاں بپا دیکھا
دیارِ عشق میں ہم نے نئی آب و ہوا دیکھی

یہ دل، ایسا جگر ایسا کلیجہ کس نے پایا ہے؟
تمہیں سچ سچ کہو کس میں ہماری سی وفا دیکھی

تیری رزادور، کا جھرمٹ ہر طرف ساقی نظر آیا
تیری محفل نہ دیکھی یہ تو اندر کی سبھا دیکھی

وہ برقع ڈال کر چلمن تک آئے بھی تو کیا آئے
تجلی دیکھنے والے نے دیکھی بھی تو کیا دیکھی

کوئی غمخوار جب آیا بڑھا اور اضطراب اپنا
کسی نے جب تسلی دی تڑپ دل کی سوا دیکھی

غرور اس کا ہوا کچھ نہ فرق آیا کدورت میں
خودی کیا اے خیال اپنی تو ہستی بھی مٹا دیکھی

محبت میں خوشی بھی ہوتی ہے صدمہ بھی ہوتا ہے
کبھی ویسا بھی ہوتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

صبا محفل میں اُسکی ذکر کچھ میرا بھی ہوتا ہے
کبھی اس کو خیالِ عاشقِ شیدا بھی ہوتا ہے

خیالِ یار میں اغیار کا کھٹکا بھی ہوتا ہے
چمن ہے دل مرا، گل بھی یہاں کھلتا بھی ہوتا ہے

بُرے ہوتے ہیں دل کے سب حسیں یہ ہم نہ مانیں گے
بُرا بھی کوئی ہوتا ہے کوئی اچھا بھی ہوتا ہے

وہ پیمانِ وفا کے ذکر پر بولے تو یہ بولے
کوئی معشوق وعدے کا کہیں سچا بھی ہوتا ہے

سزاوارِ شکایت مجھ سے وہ برتاؤ کرتے ہیں
مجھی سے اور پھر الٹا مرا شکوہ بھی ہوتا ہے

مقرر دل سے دل کو راہ ہے ورنہ وہ کیا جانے
بھلا عاشق کسی کے منہ پہ کیا لکھا بھی ہوتا ہے

سرِ بزم اس نے جب آنکھیں چرائیں مجھ سے میں سمجھا
کہ رازِ عشق معشوقوں ہی سے افشا بھی ہوتا ہے

ہمیں مہماں بُلا کر دل ہمارا لوٹے لیتے ہو
کوئی ایسا بھی کرتا ہے کہیں ایسا بھی ہوتا ہے

کبھی ناز و ادا کو بھی جفا عاشق سمجھتے ہیں
یہ تم نے سچ کہا انسان کو دھوکا بھی ہوتا ہے

مری آنکھوں پہ سر پہ آپ کا الزام میں خوش ہوں
جگہ جب دل میں ہوتی ہے جبھی شکوا بھی ہوتا ہے

وہ بولے کچھ زبردستی ہے؟ جا، دل ہم نہیں دیتے
کسی کا کیا پرائے مال پر دعویٰ بھی ہوتا ہے

نہیں غم اپنی رسوائی کا مجھ کو، غم مگر یہ ہے
مری رسوائیوں کے ساتھ ذکر اس کا بھی ہوتا ہے

دہانِ زخم ہنس ہنس کر یہی کہتے ہیں قاتل سے
ذرا انصاف کرنا جاں نثار ایسا بھی ہوتا ہے

گرہ قسمت کی تو کیا ناخنِ تدبیر کھولے گا
سلجھتی بھی ہے یہ گتھی؟ یہ عقدہ وا بھی ہوتا ہے

خیالؔ ان کی زیارت سے ہمیں محروم رہتے ہیں
مشرّف آرسی ہوتی ہے آئینہ بھی ہوتا ہے

ہوا بھی ہے گھٹا بھی ہے فضا بھی
نہ کر اب دیر ساقی لا پلا بھی

تری شوخی بھی اچھی ہے حیا بھی
ادا یہ بھی ہے پیاری وہ ادا بھی

مرے شکووں کا دفتر پڑھ کے بولے
حسینوں نے کبھی کی ہے وفا بھی

---

۱۵ اصل مجکو ۔ ف

کبھی ڈرتے ہیں اس کالی بلا سے — شبِ فرقت نہیں آتی قضا بھی

بھلا وہ مجھ کو بھیجیں نامۂ شوق — کوئی اس نام کا ہے دوسرا بھی

جنوں میں کس پہ میں ایسا ہوا ہوں — چرا لیتے ہیں آنکھیں آشنا بھی

ابھی[1] ہے نامۂ و پیغام تک بات — کسی دن ہو رہے گا سامنا بھی

نہیں جاتا یہ دردِ دل ہمارا — دوا بھی کی رفیقوں نے دعا بھی

وہ خود آکر منائیں تم نہ مانو
خیال اس ضد کی ہے کچھ انتہا بھی

---

خیر ہے کیوں ہوئے خفا مجھ سے — ہو گئی کون سی خطا مجھ سے

چھپ کے پردے میں تم ستا لو ابھی — حشر میں ہونا سامنا مجھ سے

شوق دل کچھ کہوں تو کہتے ہیں — کچھ سنا چاہتے ہو کیا مجھ سے

کس سے روشن ہوا وفا کا نام — یہ تمھیں کہہ دو تم سے یا مجھ سے

یہ خلوص اور یہ وفا میری — یہ فریب اور یہ دغا مجھ سے

کسی پردہ نشیں[3] کا کیا شکوہ — منہ چھپائیں جب آشنا مجھ سے

اپنی یہ کج روی نہیں جاتی — عاجز آیا ہے رہنما مجھ سے

غیر کیا جانے سوزِ عشق کا حال — مجھ سے پوچھو یہ ماجرا مجھ سے

یوں تو ہیں مدعی وفا کے بہت — کم ہی نکلیں گے باوفا مجھ سے

کھل گئی آج میرے دل کی کلی — کھل کے وہ غنچہ لب ملا مجھ سے

واقعی تم کو میری الفت ہے — کیا کہو؟ پھر کہو ذرا مجھ سے

---

[1] ہوا ہے نامۂ پیغام آغاز (خ) [3] نا آشنا (خ) [2] اصل مجھ سے۔ ف

رحم کی التجا پہ وہ بولے — یہ گلا ہے کہ التجا مجھ سے

داغِ حسرت میں دل سی بات کہاں — کیا دیا تم نے کیا لیا مجھ سے

کہہ گئے، آئے تھے عیادت کو — بخشوا لو کہا سنا مجھ سے

کوئی ناراض ہو بلا سے خیالؔ
رہے راضی مرا خدا مجھ سے[1]

پڑتی ہیں تیز تیز نگاہیں عقاب کی — غصے میں تم تو بھول گئے خو حجاب کی

مستانہ چال ہے مرے مست شباب کی — جیسے چڑھا لی ہو کوئی بوتل شراب کی

ہے پیشتر سوال سے چتون عتاب کی — کیا بات تیرے غمزۂ حاضر جواب کی

وہ دل رہا نہ اب وہ امنگیں شباب کی — خالی پڑی ہوئی ہے صراحی شراب کی

خود اپنی شوخیوں سے نہیں ہے قرار انہیں — وہ کیا خبر لیں اس دلِ پُر اضطراب کی

دیکھ آئے ہم رقیب کو دیکھی تیری پسند — جانچ آج ہو گئی نظرِ انتخاب کی

سچ مچ خفا ہو تم تو اٹھا دو نقاب کو — ہو گی گواہ آپ ہی صورت عتاب کی

مستِ مے نگہ رمضاں میں بھی مست ہیں — ان کے لئے کھلی ہیں دکانیں شراب کی

دنیا میں چھوٹوں ہی سے بڑوں کا فروغ ہے — روشن ہے ذرّوں ہی سے کرن آفتاب کی

اک دن مری وفاؤں کا مل جائے گا ثبوت — روزِ جزا تو فرد کھلے گی حساب کی

دیکھا ہے مجھ سا کوئی ستم کش؟ بتا مجھے — تجھ کو قسم ہے تیری ہی ناز و عتاب کی

کیا یہ بھی ہے کوئی مری تقدیر کی گرہ — کھلتی نہیں گرہ جو تمہارے نقاب کی

آئینہ عکسِ رخ سے ہے گلشن بنا ہوا — وہ دیکھتے ہیں سیر بہارِ شباب کی

جس روز وقت پر نہ ملی پھنک گیا جگر — انگارے پھانکتا ہے یہ عادت شراب کی

---

[1] اصل مجھ سے (ف)

فریاد و آہ اہل ہوس کا شعار ہے　　لذت خموشیوں ہی میں ہے اضطراب کی

کس طرح داغِ حسرتِ دل کا شمار ہو　　کچھ انتہا نہیں ستمِ بے حساب کی

بالیں پر آئے پھوٹ کے رو یا وہ سنگ دل　　اب آبرو ہوئی مری چشم پُر آب کی

آیا جو شحنہ مے میں نمک ڈال کر گیا　　کم ظرف نے خموں کی بھی مٹی خراب کی

لازم خیال اس کی رضا کا ہے اے خیالؔ
ناحق ہے تم کو فکر عذاب و ثواب کی

شوخی کے آگے چل نہیں سکتی حجاب کی　　بندھتے ہی ٹوٹ جاتی ہے گرہیں نقاب کی

دیکھی وہاں پہنچتے ہی چتون عتاب کی　　نوبت کب آئی ان سے سوال و جواب کی

کیا بات ساقیا ترے جامِ شراب کی　　پیری میں آ گئیں پھر امنگیں شباب کی

میں نے ازل میں حسن ترا منتخب کیا　　اہلِ نظر نے میری نظر انتخاب کی

ہمراہ وہ رقیب کو لائے بوقتِ دفن　　دلوا کے مٹی اور بھی مٹی خراب کی

تیرِ نگاہ ناز بھی ہونے لگے خطا　　اتنی بڑھی تڑپ دلِ پُر اضطراب کی

دو گرہیں کھل سکی ہیں نہ شاید کبھی کھلیں　　اک میرے دل کی اک ترے بندِ نقاب کی

جھنجھلاتے ہیں بگڑتے ہیں وہ بات بات پر　　خو پڑ گئی ہے غصے کی عادت عتاب کی

میرے قصور تو نے تو گن کر بتا دیئے　　گنتی نہیں ترے ستمِ بے حساب کی

دل کی برشتگی کا ہے دعویٰ رقیب کو　　کھولے گا وہ دکان کہیں اب کباب کی

کھانی پڑی قسم انہیں ترکِ ستم کی آج　　حالت جو آ کے دیکھی میرے اضطراب کی

زاہد کی ریش پہ مئے گلگوں چھلک گئی　　کچھ باندھنوں[1] سے ہو گئی رنگت خضاب کی

چلمن چھوئی ہی تھی کہ یہ کہہ کر وہ ہٹ گئے　　عصمت کا کچھ لحاظ نہ پردا حجاب کی

---

[1] رنگا ہوا کپڑا جسے باندھ کر رنگتے ہیں۔ ف

اتنے تو دھبے ڈال دیئے اے اشکِ انفعال
فردیں پڑھی نہ جا سکیں اپنے حساب کی

خنجر سے ذبح کر کے بھی غصّہ نہ کم ہوا
چھریاں لگا رہی ہیں نگاہیں عتاب کی

فرق اصل و نقل میں بہت اے بوالہوس رہا
تقلید ہو سکی نہ مرے اضطراب کی

مٹتا نہیں ہے جوہرِ ذاتی کبھی خیال
کھنچ کر عرق بھی رہتی تو خوشبو گلاب کی

زاہد کہاں کی توبہ شبِ ماہتاب ہے
دو گھونٹ پی کے دیکھ تو چوکھی شراب کی

عالم میں حسنِ یار کا جلوہ کہاں نہیں
حق تو یہ ہے کہ اپنی ہی غفلت حجاب کی

کیوں شوخیاں نہ ٹپکیں پڑیں بات بات سے[1]
آغاز جوشش حسن و شروعِ شباب ہے

قسمت پہ اُس کی رشک ہے رضوانِ خلد کو
جو شخص انجمن میں تری باریاب ہے

آئینہ دیکھتے ہی وہ شرما کے بول اُٹھے
میں جانتا تھا حُسن مرا لاجواب ہے

فانوس سے چھپی ہے کہیں شمع کی ضیا
عارض ترا نقاب میں بھی بے نقاب ہے

واعظ اسی کے دم کی ہے عالم میں روشنی
سب جانتے ہیں دخترِ رز آفتاب ہے

آزاد اسیرِ عشق غم نیک و بد سے ہیں
فکر عذاب ہے نہ خیال ثواب ہے

بندہ ہوں آپ کا کوئی بیگانہ تو نہیں
بندہ نواز مجھ[2] سے یہ کیسا حجاب ہے

ہر چند جم نہیں وہ مگر جم سے کم نہیں
جس کو نصیب شاہد و شہد و شراب ہے

میں چپ رہا کہ ایسے کو منھ کیا لگائیے
واعظ نے جانا بات مری لاجواب ہے

واعظ نے ذکرِ خلد سے للچا دیا خیال
لاکھوں برس کی اُس میں پرانی شراب ہے

---

[1] ان کی - خ [2] اصل مجھ سے - (ف)

لکھا خطاب جواب آئے نہ آئے — جو آئے باصواب آئے نہ آئے

تکلف برطرف پیاسا ہوں ساقی — شراب آئے کباب آئے نہ آئے

تمہیں کیا؟ تم دکھا دو اپنا جلوہ — مری آنکھوں کو تاب آئے نہ آئے

وہ آئیں میرے سر آنکھوں پہ بیٹھیں — عدو کیوں ہمرکاب آئے نہ آئے

شب وعدہ رہیں گے منتظر ہم — وہ سرمست شباب آئے نہ آئے

گیا تو دوڑ کر قاصد یہاں سے — پلٹ کر اب شتاب آئے نہ آئے

ادھر ساقی ہیں کہ مخصوص احباب — ادھر جام شراب آئے نہ آئے

گلہ ہے شبہ گستاخی ہے اے دل — انہیں اس پر عتاب آئے نہ آئے

ہوا ہے خواب میں آنے کا وعدہ — یہ قسمت اب کہ خواب آئے نہ آئے

سفارش کو مری ناصح گیا ہے — وہاں سے کامیاب آئے نہ آئے

خیالؔ استاد کا دیوان پڑھے جاؤ
سمجھ میں وہ کتاب آئے نہ آئے

نہ جانے رسم دنیا کو نہ واقف حکم مذہب سے — مجھے پالا پڑا ہے یا الٰہی کیسے بے ڈھب سے

دوا ہو یا دعا بے سود ہے جب موت آ پہنچی — اجل[۱] کی کشت وہ ہے بچ نہیں سکتی جو اردب[۲] سے

زباں خاموش ہے پھر بھی غم دل چھپ نہیں سکتا — نم مژگاں سے ظاہر ہے عیاں ہے خشکی لب سے

گیا تھا عرض مطلب کو وہ کیوں ملتے وہ کیا سنتے — نہ مجھ سے غرض ان کو نہ مطلب میرے مطلب سے

لگاوٹ کی نگاہوں نے مجھے اندھا بنایا تھا — اب آنکھیں پھیر لیں تو نے تو آنکھیں ہو گئیں اب سے

---

۱؎ اجل کی کشت پر بچتی نہیں ہے مات اردب سے (خ) ۲؎ (۱)
اردب شطرنج کی اصطلاح میں وہ مہرہ جو شاہ کو کشت سے بچانے کے لئے بیچ میں
لایا جاتا ہے (۲) چوٹ بچانے والا ۔ فیروز اللغات ۔ ف

ہم اس سے جھک کے ملتے ہیں جو ہم سے جھک کے ملتا ہے کسی مذہب کا ہو کوئی غرض کیا اس کے مذہب سے

بتوں سے اس جھنک بھی تو بتوں کا نام جپتے تھے مگر اپنا کو نجا رہتا ہے اب تو شور یارب سے

سنی جب بد زبانی غیر کی مجھ سے یہ فرمایا تمہاری لب بھری باتیں ہیں کیا کم نیشِ عقرب سے

کہاں یہ ناز پریوں میں کہاں حوروں میں یہ شوخی نرالا ہے ترا انداز الگ تیری ادا سب سے

نہ رشک اس کو کسی سے ہے نہ کینہ ہے نہ جھگڑا ہے

بہت جی خوش ہوا اکبر خیالِ صلح مشرب سے

---

مرا سینہ ہے کم کس بات میں چرخ مکوکب سے کہیں بڑھ کر چمکتے ہیں یہ داغِ عشق کوکب سے

چھلک جاتی ہے رلش تیغ پر جام لبالب سے نہ آیا ہے نہ آئیگا انہیں پینا کسی ڈھب سے

وہ فرماتے ہیں سب جھوٹے ہیں کس کا کون عاشق ہے یہ بندے خود غرض ہیں ملتے ہیں صرف اپنے مطلب سے

نہ کوئی روک سکتا ہے نہ کوئی ٹوک سکتا ہے اڑا لیتے ہیں دل وہ آنکھوں آنکھوں میں کچھ اس ڈھب سے

ترے صدقے یہ جھوٹا جام اب دیدے مجھے ساقی ابھی کچھ جس سے پی تو نے ہو مس جو تیرے لب سے

ہزاروں رنگ ہیں اس خود نما کی خود نمائی کے دکھاتا ہے وہ اپنا جلوہ ہر روز ایک نئے ڈھب سے

جو محوِ عشق ہیں خلوت نشیں ہیں انجمن میں بھی بظاہر سب کے شامل ہیں حقیقت میں جدا سب سے

فلک کو بغض ہے ہم سے زمیں بھی خار کھاتی ہے ازل میں لے لیا بارِ امانت اپنے سر جب سے

مرے دل سے کوئی پوچھے تری زہریلی مژگاں کو کہیں بڑھ کر ہے اس کا زہر زہرِ نیشِ عقرب سے

خیال اس دشمنِ ایماں سے تم سے بندھ نہیں سکتی

نہیں پابندئ مذہب اے نفرت ہے مذہب سے

دم بھر بھی جو ہو جائے ملاقات بہت ہے دو باتیں بھی وہ کرلیں تو یہ بات بہت ہے

---

ملہ وہ ضد رکھتا ہے (نخ)

لطف آجکل آتا ہے سوا بادہ کشی کا — مطبوع مجھے اس لئے برسات بہت ہے
دن بھر تو جدائی میں تڑپتے ہوئے گذرا — جاتے ہو کہاں، ٹھہرو ابھی رات بہت ہے
کیوں بوالہوسوں میں وہ مجھے گنتے ہیں یارب — عشق اور ہوس میں تو منافات بہت ہے
دو گھونٹ بھی ہے غم کے غلط کرنے کو کافی — تھوڑی سی بھی ساقی کی مدارات بہت ہے
اے دل انہیں ڈر ہے کہیں بدنام نہ ہو جائیں — یہ چوری چھپے کی بھی ملاقات بہت ہے
ناصح تری بک بک سے تو سر پھر گیا اپنا — مہمل یہ بہت ہے یہ خرافات بہت ہے
روشن ہوئے چودہ طبق اک جام سے تیرے — احسان تیرا پیر خرابات بہت ہے
دل کے کے صراحی وہ بڑھاتے ہیں یہ کہہ کر — ہو دل سے تو تھوڑی سی بھی سوغات بہت ہے
مجھ مست کو کیا سلطنتِ جم کی تمنا — خدمت تیری اے پیر خرابات بہت ہے

رہتا ہے خیال آپ کا ہر وقت ثنا خواں
ایمان کی ہے بات خوش اوقات بہت ہے

---

نیند آئی شام کو کچھ بات ہے — یہ ہمارے ٹالنے کی گھات ہے
میرے رونے پر وہ بولے بزم میں — کیا بری بے فصل کی برسات ہے
چال اس کے ساتھ کچھ چلتی نہیں — عشق کی بازی ہمیشہ مات ہے
وصل کی شب یوں وہ دم دیتے رہے — ایسی جلدی کیا ہے اپنی رات ہے
ہو رہی ہیں غیر سے سرگوشیاں — ہو نہ ہو یہ میری ہی کچھ بات ہے
گالیاں دیتے ہیں جب کیجئے سوال — حسن والوں کی یہی خیرات ہے
سب پئیں میں بیٹھ کر دیکھا کروں — تو ہی کہہ ساقی یہ کیسی بات ہے
لوٹتے ہیں پوجنے والوں کو بت — بے نیاز اللہ کی اک ذات ہے
ٹوٹا پھوٹا دل وہ لے کر کیا کریں — یہ بھی کچھ سوغات میں سوغات ہے

زلف و رخ کا ہے نظارہ رات دن / دن مرا دن رات میری رات ہے

جھیلتا ہوں عشق میں کیا کیا عذاب / جان میری موردِ آفات ہے

توبہ سے کچھ روز واعظ رکھ معاف / اب یہی دو چار دن برسات ہے

کہہ کے کیا کیا جھوٹ بہکاتا ہے غیر / ایک ہی شیطان یہ بدذات ہے

ڈھول جڑنی تھی کہ ناصح چل دیا / ٹالنا اس کا تو اپنے ہات ہے

کس قدر ہے دل رقیبوں کا سیاہ / قبر کافر کی یہ پہلی رات ہے

رات دن کرنی گدائی حسن کی / ہم فقیروں کی یہی اوقات ہے

یوں بھری محفل میں طعنہ دے رقیب / ہو نہ ہو سکھی سکھائی بات ہے

دورِ مے چلتا رہے ساقی کی خیر / اندنوں برسات ہی برسات ہے

چاہتا ہوں میں کہ جب چاہوں ملوں / آپ کو پابندیٔ اوقات ہے

کہتے ہیں وہ وصل کی اچھی کہی / یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے

سینکڑوں پہلو ہیں اک اک لفظ میں / آپ کی ہر بات کی کیا بات ہے

التجائے قتل پر کہنے لگے / حور کے مشتاق ہو یہ بات ہے

حشر کا اللہ مالک ہے خیالؔ
آبرو بندے کی اس کے ہات ہے

مجھ سے تم پوچھتے ہو کیوں تری کلفت نہ گئی / کیا کہوں کیوں نہ گئی کس کی بدولت نہ گئی

خلشِ غم نہ گئی کاوشِ حسرت نہ گئی / یادِ مژگاں میں کبھی دل کی اذیت نہ گئی

دیکھ کر حسنِ صنم کہہ اٹھے اللہ اللہ / بت پرستی میں بھی اسلام کی عادت نہ گئی

وعظ کا اجر قیامت میں ملے یا نہ ملے / کبھی دنیا سے تو واعظ کی ضیافت نہ گئی

دن چڑھے بھی مری آنکھوں میں ہے دنیا تاریک / ظلمتِ شب تو گئی ظلمتِ فرقت نہ گئی

طاقتِ ضبط گئی، صبر گیا، ہوش گئے / نہ گئی دل سے تو اک اُس کی محبت نہ گئی

کہہ کے پیغام پھر اصرار نہ کرنا قاصد — ضد اگر آئی اسے تا بہ قیامت نہ گئی

فتنہ گر خود نہ رہا فتنہ مگر چھوڑ گیا — دل گیا دل میں جو حسرت تھی وہ حسرت نہ گئی

لاکھ عنوان کئے حضرت ناصح نہ ٹلے — آ گئی جب یہ بلا پھر کسی صورت نہ گئی

کیا فراموش ہو اس لذتِ دیدار کی یاد — تلخیٔ ہجر میں بھی جس کی حلاوت نہ گئی

خوش ہیں وہ دیکھ کے دل میں مرے ارمانوں کو — کہتے ہیں گوشۂ خلوت میں بھی جلوت نہ گئی

جاں نثاری کا مری اُس کو یقیں آ تو گیا — شکر صد شکر کہ جاں اپنی اکارت نہ گئی

وعظ میں تذکرۂ حور سنا تھا اک دن — اب تک الزام ہے ان کا، یہ شکایت نہ گئی

بزم احباب میں بھی دیکھ لیا جا جا کر — کہیں تسکیں نہ ہوئی اپنی یہ وحشت نہ گئی

تم وفا کرتے تو کیوں سنتے تقاضائے وفا — اپنی خو تم نے نہ بدلی مری عادت نہ گئی

اتنے چھینٹے دیئے اس دیدۂ تر نے بے سود — تپشِ دل نہ گئی سوزشِ الفت نہ گئی

یوں بظاہر تو صفائی سے ملے وہ اکثر — مثلِ آئینہ مگر دل کی کدورت نہ گئی

ترک لذت ہی وہ کیا جب کہ رہی لذت کی ہوس — دل سے زاہد کے کبھی خواہشِ جنت نہ گئی

کچھ نہ کچھ چھیڑ رہا کرتی ہے دونوں میں خیالؔ
ان کی شوخی نہ گئی دل کی شرارت نہ گئی

اب وہ چھپتے ہیں دکھاتے نہیں صورت اپنی — کیا کیا میں نے جتا دی جو محبت اپنی

غم سلامت رہے، قائم رہے حسرت اپنی — انہیں دلسوزیٔ دل سے ہے گرمیٔ صحبت اپنی؟

جام ساقی مجھے بھر بھر کے دیئے جاتا ہے — پیاس بجھتی نہیں بھرتی نہیں نیت اپنی

تھی ایک امید جو فرہاد نے کاٹا تھا پہاڑ — میں کس امید پہ کاٹوں شبِ فرقت اپنی

رشکِ خوش طالعی غیر پر ارشاد ہوا — اس کی قسمت سے بدل ڈالئے قسمت اپنی

کیوں بگڑتے ہو جو کہتا ہوں لیا دل ناحق — یہ تمہارا نہیں شکوہ، ہے شکایت اپنی

کسی جنگل میں کسی دشت میں [illegible] دی ہے — روز ایک سیر دکھا دیتی ہے وحشت اپنی

بلبلے جی ہستیِ موہوم پہ کیا کیا تھے گھمنڈ — کھل گئی بعدِ فنا ساری حقیقت اپنی

یہ تو اے مشقِ تصور ہو کہ آئینے میں — ان کی صورت نظر آنے لگے صورت اپنی

بات کچھ وقتِ ملاقات نہ ہونے پائی — ان کو تمکین ہوئی مانع مجھے حیرت اپنی

جور پر جور ستمگر کے ہوئے جاتے ہیں — اور سے اور ہوئی جاتی ہے حالت اپنی

شوقِ دیدار میں تڑپا لو ابھی چھپ چھپ کر — حشر کے روز نکل جائے گی حسرت اپنی

اپنے چہرے سے نقاب اس نے اٹھائی بھی تو کیا — لاکھ پردوں کا خود اک پردہ تھی حیرت اپنی

کہنے جاتے تو ہو اپنا غمِ دل ان سے خیالؔ
کہیں ایسا نہ ہو وہ سمجھیں شکایت اپنی

نہ دیکھا جان کو اپنی جو یہ حالت ہر سج دھج کی — نگہ تو پہلے ہی کج تھی کلہ بھی اس نے اب کج کی

کیا ہے نام روشن حسن کا رخساروں نے تیرے — قیامت تک ہے قائم یہ جوڑی چاند سورج کی

ملے کیا خاک لیلیٰ قیس کو صحرا نشینی میں — کہ لکھا ہی نہیں ہے وصل قسمت میں اپاہج کی

مجھے تو اس کی محفل میں یہی بس دیکھنا ٹھہرا — نظر سیدھی رہی کب تک نگہ کس بات پر کج کی

مری معشوقہ ہے مے مجھ سے اسلامی اخوت ہے — غضب ہے محتسب حرمت نہیں کرتا ہے بھاوج کی

یونہیں سنکر تری تانیں تصدق ہوتی ہیں جانیں — تکلف کی ہے کیا حاجت ضرورت کیا پکھاوج کی

ثبوتِ عشق کیسا ہی ہو ڈگری حسن پر مشکل — وکیل اپنے خوشامد خورے، غدر فطرت میں ہے جج کی

خیالؔ اب تو بتانِ ہند سے دل ہے اچاٹ ایسا
ارادہ کر لیا کعبے کا نیت اپنی ہے حج کی

یاد بھی اس کی ستائے وہ ستم ایجاد کی — دونوں ہی بے رحم ہیں شاگرد بھی استاد بھی

ایک تنکا آشیانے کا سمجھ کر پھر گیا — میں وہ لاغر ہوں کہ دھوکا کھا گیا صیاد بھی

---

ساز کا نام (خ)

ضبط مشکل تھا مگر یہ مشکل آساں ہو گئی
ضعف کے صدقے کہ ہو سکتی نہیں فریاد بھی

چپے چپے پر زمیں کے اے صبا گذری ہے تو
تو نے دیکھا کوئی مجھ سا خانماں برباد بھی

سخت جانی سے مری دونوں طرف ہے انفعال
میں ادھر نادم اُدھر شرمندہ ہے جلاد بھی

یہ وفا یہ جاں نثاری، یہ جگر، یہ دل کہاں
بندہ پرور غیر پر کی ہے کبھی بیداد بھی؟

کچھ وہ بولے تھے کہ بس دو ٹوک ان سے ہو گئی
منھ پہ کہہ دیتے ہیں یہ کتے ہیں کہیں آزاد بھی

آشیاں اک مشت خس ہے اور دشمن بے شمار
باغباں بھی، برق بھی، گلچیں بھی ہے صیاد بھی

جب کہا ایفائے عہد وصل کو کہنے لگے
کیسا وعدہ؟ کب کا وعدہ؟ ہو مجھے کچھ یاد بھی

ضبط لازم تھا کہ بدنامی نہ ہو معشوق کی
قیس تھا اپنی غرض کا باؤلا فرہاد بھی

جو گرا قعر محبت میں نہ ابھرا وہ خیالؔ
کیا بری افتاد ہے یہ عشق کی افتاد بھی

---

دعائیں دیں، بلائیں لیں قدم چومے خوشامد کی
مری بات اس نے کب مانی ہمیشہ التجا رد کی

جناب شیخ آنے والے ہیں یا حضرت زاہد
عجب ہے دھوم میخانے میں کس کی آمد آمد کی

نظر میں خاک جنچتی قامت طوبیٰ کی موزونی
یہ آنکھیں دیکھنے والی ہیں آخر کس سہی قد کی

کدورت بڑھتے بڑھتے ہو گئی دیوار کی صورت
بجا ہے اب تو پھبتی اس پہ ذوالقرنین کے سد کی

پلایا جام مے واعظ کو شربت کہہ کے رندوں نے
ادھر تسبیح اڑا لی اور ادھر پگڑی ندارد کی

خیالؔ اب شاعری کیسی عزیزوں کا ہے خوش کرنا
کہی ہے یہ غزل خاطر محی الدین احمد[۵] کی

---

۵ خیال کے بھانجہ۔ ف

دوائے دلِ زار ہوتی نہیں ہے — تمہیں فکرِ بیمار ہوتی نہیں ہے

جو پوچھا کہ پھر کب ملوگے وہ بولے — تجلّی میں تکرار ہوتی نہیں ہے

محبت کی برچھی کھٹکتی ہے دل میں — کلیجے سے یہ پار ہوتی نہیں ہے

ذرا آ کے تم ٹھوکروں سے جگا دو — یہ تقدیر بیدار ہوتی نہیں ہے

وہ دن کونسا ہے کہ محفل میں تیری — رقیبوں کی بھرمار ہوتی نہیں ہے

تری زلف کو چور سب جانتے ہیں — کہ یہ کبھی گرفتار ہوتی نہیں ہے

تڑپتا ہوں دن رات[1] اس سوزِ غم سے — کبھی صحبتِ یار ہوتی نہیں ہے

محبت کی بیگار ہے عمر بھر کی — نجات اس سے زنہار ہوتی نہیں ہے

حیا باتیں کرنے میں ہوتی ہے اُن کو — مگر وقت انکار ہوتی نہیں ہے

پڑے ہیں یہ بل کیسے ابرو میں تیرے — شکن دار تلوار ہوتی نہیں ہے

تسلّی نہ دو یاس جب حد سے گزری — تسلّی بھی درکار ہوتی نہیں ہے

وہ رہ رہ کے کہنا شبِ وصل اُن کا — سحر کیوں نمودار ہوتی نہیں ہے

خیالؔ ان سے اب چار باتیں تو کیسی؟
کبھی آنکھ تک چار ہوتی نہیں ہے

فرہاد وہ آہ نے تپش و اضطرار نے — رسوا کیا مجھے انہیں دو تین چار نے

کی ہوتی جان کب نہ غمِ انتظار نے — زندہ رکھا توقعِ دیدارِ یار نے

ہوش اڑ گئے نقاب اٹھائی جو یار نے — دھوکا دیا مجھے مرے صبر و قرار نے

سو بار روزِ حشر کا نقشہ دکھا دیا — تڑپا کے ایک رات ترے انتظار نے

محمل کو قیس تو نے جو دیکھا تو کیا ہوا؟ — دیکھا تجھے بھی جھانک کے محمل سوار نے؟

---

[1] زرقت میں۔ رخ

دل کی لگی میں پھر بھی نہ کوئی کمی ہوئی
دریا بہا دیے مژۂ اشکبار نے

اتنا غرور کب تھا تمہارے مزاج میں
اس کو بڑھا دیا ہے مرے انکسار نے

دل کیا گیا کہ سب نے جدائی کی اختیار
تاب و تواں نے ہوش نے صبر و قرار نے

روداد جز زبانِ شکایت نہ کھل سکی
جادو سا کر دیا نگہِ شرمسار نے

میری طرح گلوں نے گریباں کیا ہے چاک
تیری ہی چال اڑائی ہے بادِ بہار نے

صبر و قرار دو جو مددگار دل کے تھے
پہلے انہیں پہ وار کیا چشمِ یار نے

اس رشکِ مہ کا حُسن یونہیں آفتاب تھا
اب اور چار چاند لگائے سنگار نے

کم التفاتیوں کی شکایت غضب ہوئی
غفلت بڑھا دی اور بھی غفلت شعار نے

دیکھا نہ آسماں پہ چڑھا کر رقیب کو
ہے یاد کیا کہا تھا کسی خاکسار نے

اس کی کسر بھی تیری ادا نے نکال لی
کی تھی جو کوتہی ستمِ روزگار نے

تو کوئی جام دے کہ نشے مست کر دیا
ساقی مجھے تری نگہِ پُرخمار نے

صبر و قرار چل دیے اک درد رہ گیا
دل کا دیا ہے ساتھ اسی غمگسار نے

آنسو ٹپک پڑے نگہِ شرمسار سے
کیا اُن سے کہہ دیا مری شمعِ مزار نے

دن ہو کہ رات ہے وہی سرگشتگیٔ عشق
چکرا دیا ہے گردشِ لیل و نہار نے

صورت بتوں کی صفحۂ ہستی پہ کھینچ کر
صنعت دکھائی خامۂ صنعت نگار نے

بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل ہر طرف خیال
مہکا دیا چمن کو نسیمِ بہار نے

برکھا سے آتی ہے خبر آنے کی یار کے
راتیں ہیں انتظار کی دن انتظار کے

گل تھے تو چہچہے تھے ہزاروں ہزار کے
سونا پڑا ہے باغ گئے دن بہار کے

کام آئیں کاش گوندھنے میں ان کے ہار کے
یہ تار میرے پیرہنِ تار تار کے

طوفان دیکھ کر مژۂ اشکبار کے
بجھن سے جھڑ گئے رنگِ ابر بہار کے

کرلی مریضِ غم کی عیادت کھڑے کھڑے | آئے تھے وہ چلے گئے اُلہنا[1] اُتار کے
ذوقِ ستم کشی مرا سنکار تا گیا | قاتل بنا دیا اسے، آخر اُبھار کے
پردہ نشیں کی یاد کی بے پردگی نہ ہو | ارمان دل میں آئیں تو پردہ پکار کے
سمجھائیں کس کو دل بھی ہے ضدی انہیں بھی ضد | یہ اختیار کا ہے نہ وہ اختیار کے
دو بوند بھی نہ مجھ سے[2] قدح نوش کو ملی | آئے بھی دن گذر بھی گئے دن بہار کے
لیتا ہے سب سے بڑھ کی خبر چرخ خمیدہ پشت | غمزے غضب ہیں اس شتر بے مہار کے
واعظ کا وعظ بے مزہ کب تک سنا کروں | دو جام جل کے پی لوں مے خوشگوار کے
محمل کا پردہ تو نہ اڑا تیری آہ سے | اے قیس ہوش اُڑ گئے محمل سوار کے
پیری میں کچھ شباب کے باقی ہیں ولولے | قائم خزاں میں ہیں یہ جھڑوتے بہار کے
رندوں میں جاکے شیخ کی شیخی نکل گئی | آئے تھے پارساؤں میں شیخی بگھار کے
پیماں شکن کے وعدے سے کیوں کر ہو کچھ سکون | کیا اعتبار قول کا بے اعتبار کے
بے ساختہ وہ ڈر کے گلے سے لپٹ گئے | صدقے ہم اپنے نالۂ بے اختیار کے

وہ دن بھی تاب لا نہ سکے ہجر کی خیال
کیا کیا گھمنڈ تھے تمہیں صبر و قرار کے

---

اس سنگدل کی آنکھ بھی کچھ آج تر تو ہے | صد شکر اپنے گریۂ غم میں اثر تو ہے
بیٹھا ہوا ہوں دیدہ و دل فرشِ رہ کئے | آئے نہ آئے آنے کی اُس کے خبر تو ہے
انصاف شرط ہے اُسے بے مہر کیوں کہوں | مجھ پر وہ مہرباں نہ سہی غیر پر تو ہے
تیر افگنی سے باز نہ رہ اے نگاہِ ناز | دل چھد گیا مگر ابھی باقی جگر تو ہے

---

[1] بمعنی شکایت مٹانا۔ ف [2] اصل مجھے۔ ف

پاس اس کے صدر میں نہ سہی دور ہی سہی — خوش ہوں کہ بزمِ یار میں اپنا گزر تو ہے

مشقِ ستم کے وقت مجھے یاد کرتے ہیں — اتنا تو ہے خیالِ وفا اس قدر تو ہے

سوزِ غمِ رقیب کا شاہد کوئی نہیں — میرا گواہ موجۂ دودِ جگر تو ہے

آیا ہے قتل کرنے کو خنجر لئے ہوئے — اے شوقِ دید مژدہ وہ پیشِ نظر تو ہے

کچھ غور اپنی سنگدلی پر کبھی کیجے — مانا یہ میں نے آہ مری بے اثر تو ہے

یہ تو نہیں کہ نخلِ وفا خشک ہو گیا — گل داغ اور آبلہ دل میں ثمر تو ہے

کھٹکا نہ دے بتوں کی کشش راہ سے کہیں — حج کا ارادہ کعبے کی جانب سفر تو ہے

تلوار باندھنے کا بھی کچھ ان کے دل کو شوق — پھر یہ بھی کچھ خیال کہ نازک کمر تو ہے

آزردہ کیوں خیالؔ کی باتوں سے ہو گئے — بیچارہ ہوش میں نہیں شوریدہ سر تو ہے

---

زور کا اس جا نہ زر کا کام ہے — دل میں گھر کرنا نظر کا کام ہے

مجھکو ہنسوانا ہنسانا غیر کو — میری آہِ بے اثر کا کام ہے

لوٹتی ہے دل لگاوٹ کی نگاہ — رہزنی اس راہبر کا کام ہے

لطف کا پہلو ہے بیداد میں — یہ مرے بیداد گر کا کام ہے

دل میں رکھتے ہیں غمِ دل ہوشمند — شور و غل شوریدہ سر کا کام ہے

مر نہ رہنا جا کے اے قاصد وہاں — جانا آنا دوپہر کا کام ہے

دل جلوں کی دلدہی ہے اس کے ہاتھ — سوز اِدھر کا ساز اُدھر کا کام ہے

چیخنے چلانے سے کیا فائدہ — وعظ میں واعظ اثر کا کام ہے

خوبیوں کو دیکھتے ہیں باہنر — عیب بینی بے ہنر کا کام ہے

سوگ میں دل کے زباں کیا چپ ہے — نوحہ خوانی نوحہ گر کا کام ہے

کھیل سمجھے ہو محبت کو خیالؔ — یہ بڑے ہی دردِ سر کا کام ہے

ساتھ ساتھ اس کے کوئی اور نظر آتا ہے
آج یہ طور تو بے طور نظر آتا ہے

سچ ہے پیاروں کی ہر اک بات ہے پیاری پیاری
مجکو پیارا ترا ہر جور نظر آتا ہے

خط نکل آئے ستمگر کا تو جھگڑا چھوٹے
ابھی کچھ دن تو ستم اور نظر آتا ہے

جلوہ افگن ہے وہ بت اور غش آیا ہے مجھے
طور سا گھر کا مرے طور نظر آتا ہے

مصرع قد میں ہے مضمون کمر کا باریک
شاعروں کو بھی بصد غور نظر آتا ہے

کوئی معشوق بھی مل جائے نیا کاش خیال
کہ نیا وقت نیا دور نظر آتا ہے

---

عشق کا بندہ ہے دل مجبور ہے
بندگی بیچارگی مشہور ہے

قدر نعمت کو بصیرت چاہئے
دیدۂ بے معرفت بے نور ہے

تیرے آگے ہے سر تسلیم خم
جو تری مرضی مجھے منظور ہے

جان پہ پروانے کی کرتی ہے رحم
شمع جو فانوس میں مستور ہے

کبر و ناز اس کو مجھے عجز و نیاز
منکسر میں اور وہ مغرور ہے

حسن لیلیٰ کا جہاں ہے تذکرہ
عشق مجنوں کا بھی کچھ مذکور ہے

زور کچھ تدبیر کا چلتا نہیں
آدمی تقدیر سے مجبور ہے

شوق کا یہ قول منزل ہے قریب
ضعف کہتا ہے یہ کوسوں دور ہے

کیا انا الحق کلمۂ حق جو کہے
اس زمانے میں وہی منصور ہے

قطرے قطرے میں ہے دریا کی نمود
ذرّے ذرّے میں ظہور نور ہے

اب کہاں جمعیّتِ خاطر خیالؔ
سنگ دل سے شیشۂ دل چور ہے

---

خودنمائی حسن کا دستور ہے — تو میری آنکھوں سے کیوں مستور ہے

خط وہ کیا جس میں مثل مشہور ہے — جو نظر سے دور دل سے دور ہے

بیچ کی باتیں کرو اغیار سے — صاف کہہ دو مجھ[1] سے کیا منظور ہے

جیتے جی ہی میں نے جنت دیکھ لی — گھر ترا فردوس ہے تو حور ہے

دوست دشمن سب سے جھک کر ملتے ہیں — ہم ملنساروں کا یہ دستور ہے

لب پہ قاتل کے تبسم دیکھ کر — زیرِ خنجر دل میرا مسرور ہے

مجھ سے دیوانے کو سمجھاتا ہے کیا — تو بھی ناصح عقل سے معذور ہے

ہاتھ اٹھا لیتا ہے ننگ و نام سے — دل کے ہاتھوں آدمی مجبور ہے

اپنی غفلت اپنی حیرت ہے حجاب — وہ کہاں مستور ہے کب دور ہے

دل کی تاک اس کو مرا یہ حسنِ ظن — میری دلجوئی اسے منظور ہے

مہرباں رہتے ہیں مہوش چند روز — چار دن کی چاندنی مشہور ہے

آپ کو میری دل آزاری پسند — آپ کی خاطر مجھے منظور ہے

مست اپنی زار نالی سے ہوں میں — نالۂ دل نغمۂ طنبور ہے

ہو گئی عنقا زمانے سے وفا — نام ہی نام اس کا اب مشہور ہے

حسن خود ہے بانئ ایوانِ عشق
دل خیال ادنیٰ سا ایک مزدور ہے

---

جہاں اس کے جلوے سے معمور ہے — جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے

رگِ جاں سے بھی ہے وہ نزدیک تر — نگاہوں سے ہر چند مشہور ہے

---

[1] اصل مجھسے (ف)

شہنشاہ تو ہی ہے اے ذوالجلال | ترا بندہ قیصر ہے فغفور ہے

بندھی ہے ہر اک دل میں تیری ہی دھن | ہر اک لب پہ تیرا ہی مذکور ہے

ترا جلوہ رگ رگ میں ہے مثلِ خوں | ترے نور سے آنکھ پُرنور ہے

ترے شکر کا حق ادا کس سے ہو | کہاں آدمی کا یہ مقدور ہے

تری کنہ کا جاننا ہے محال | فلاطوں کی بھی عقل مجبور ہے

تعقل کی سرحد سے باہر ہے تو | احاطے سے ادراک کے دور ہے

ترا نورِ وحدت تغیّر سے پاک | تلوّن مظاہر کا دستور ہے

ترے فضل کا ملتجی ہے خیالؔ
مہینوں سے بیچارہ رنجور ہے

---

کہوں کیا کچھ ایسا وہ مغرور ہے | اگر پاس بھی ہے بہت دور ہے

دو رنگی حسینوں کی مشہور ہے | لگاوٹ میں لاگ ان کا دستور ہے

جوانی کے نشے میں وہ چُور ہے | یونہیں بے پیئے مست و مخمور ہے

فقط سعی کا اس کو مقدور ہے | نتیجے میں انسان مجبور ہے

کسے تاب ہے اس کے نظارے کی | بڑی مصلحت سے وہ مستور ہے

نیا روگ ہے کیا ترے عشق کا | ازل ہی سے دل میں یہ ناسور ہے

دغا دار میں ہوں جفا کار تو | زمانے میں یہ بات مشہور ہے

تجھے حسن پر ناز اسے عشق پر | مرا دل بھی تجھ سا[۵] ہی مغرور ہے

چلو دیکھ لو اپنے بیمار کو | عیادت کا دنیا میں دستور ہے

---

۵ اصل تجھسا (ف)

نظر سے اگر دور ہے کیا ہوا — وہ دل میں تو ہے دل سے کب دور ہے

نہ دیکھا کوئی تجھ سا کوئی حسیں — بشر ہے؟ پری ہے کہ تو حور ہے

وہ کہتے ہیں کیوں فاتحہ ہم پڑھیں — یونہیں کشتۂ عشق مغفور ہے

کئی دن سے تیور ہیں بگڑے ہوئے — خدا جانے کیا اس کو منظور ہے

مرے سن کر ذکرِ مجنوں مرا حال سن — یہ تیرے زمانے کا مذکور ہے

خریدارِ دل حسن، دلالِ حسن — یہ سودا[۱] جو بن جائے کیا دور ہے

مرے ساتھ کیوں ہیں یہ بے مہریاں — تری مہربانی تو مشہور ہے

وفادار سے بے وفائی کریں — نرالا حسینوں کا دستور ہے

ترے مبتلا کو افاقہ کہاں — جو تھا داغِ دل اب وہ ناسور ہے

اُسے یہ خوشی میں مصیبت میں ہوں — مجھے یہ مسرت وہ مسرور ہے

عبادت جو لالچ میں جنت کے ہو — وہ طاعت نہیں خواہشِ حور ہے

نہ جانو تو بس اک نہ جانو تمہیں — مرا حال عالم میں مشہور ہے

کہاں دل میں وہ گرمئ شوق اب — تری سرد مہری سے کافور ہے

کسی اور کو ہو تو ہو اختیار — مگر بندۂ عشق مجبور ہے

مقرب کبھی آپ کا تھا خیال
نظر سے کبھی اب دل سے بھی دور ہے

---

دیکھ کر عاشق کی قبر اندھیر ہے — پوچھتے ہیں وہ یہ کیسا ڈھیر ہے

آرزو کیا میوۂ فردوس کی — غم بہت کھایا طبیعت سیر ہے

---

[۱] جو بن جائے سودا یہ ۔ خ

آبِ خنجر کی رگیں ہیں تشنہ کام
جلد قاتل ذبح کر کیا دیر ہے

ایک ہی ہے منزلِ جذب و سکوں
راہیں دو ہیں کچھ ذرا سا پھیر ہے

پہلوانِ عشق کا اللہ رے زور
ہر زبردست اُس کے ہاتھوں زیر ہے

سینوں اپنا حسرتوں کا مقبرہ
دل نہیں یہ آرزو کا ڈھیر ہے

دشت میں وحشی کے جب نکلے قدم
خوفِ گرگ اُس کو نہ بیمِ شیر ہے

خوبرویوں کا ہے چہرہ باغِ حسن
سیب ہے اُن کا ذقن لب بیر ہے

آستاں بوسی کرو چل کر خیال
کعبۂ ہندوستاں اجمیر ہے

اشک غمّاز ہوا جاتا ہے
فاش اب راز ہوا جاتا ہے

ہو رہا ہے ادھر اظہارِ نیاز
اور اُدھر ناز ہوا جاتا ہے

دل بھی اب دیکھ کے اُس کے فتنے
فتنہ پرداز ہوا جاتا ہے

تیرے بیمارِ محبت کا مزاج
اور ناساز ہوا جاتا ہے

خونِ ناحق سے حذر کر ظالم
قتل جانباز ہوا جاتا ہے

بڑھی جاتی ہے تغافل کی شان
ستم اب ناز ہوا جاتا ہے

دیکھ کر صبر و تحمّل میرا
دنگ ہمراز ہوا جاتا ہے

آ رہا ہے جو شباب اب اُن کا
اور انداز ہوا جاتا ہے

وہ خفا مجھ سے ہیں پھر بھی سرِ بزم
وہی اعزاز ہوا جاتا ہے

حملہ آور وہ نگہ ہے دل پر
زیرِ شہباز ہوا جاتا ہے

دھن میں اظہارِ کرامات کی شیخ
شعبدہ باز ہوا جاتا ہے

غیر سے بھی ہیں اشارے سرِ بزم
مجھ سے بھی ناز ہوا جاتا ہے

کر رہے ہیں وہ مرا دل پامال
یہ سرافراز ہوا جاتا ہے

منکر اب لائیں گے ایمان خیالؔ
شعر اعجاز ہوا جاتا ہے

---

بیٹھ کر پاس بھی جو یاس رہے — کیا ہو اُس کی خوشی کہ پاس رہے
مذہبِ عشق میں ہے افشا کفر — چہرہ بشاش جی اُداس رہے
حشر کی سختیاں نہ کہہ واعظ — ایک دن کی تو دل میں آس رہے
اپنی چادر کفن کو دی اُس نے — ہم تو مر کر بھی خوش لباس رہے
مُدعا دل کا ان سے کہہ نہ سکا — غیر ہر وقت آس پاس رہے
لطف یہ ہے پلانے کا ساقی — کہ چھلکتا ہوا گلاس رہے
دل وہ دل جس میں ہو وفا کی بو — پھول وہ پھول جس میں باس رہے
مے سے پرہیز وہ کرے واعظ — آبِ کوثر کی جس کو پیاس رہے
پاس میرا تمہیں نہ ہو نہ سہی — اپنے قول و قسم کا پاس رہے
شکوہ ہجر سُن کے فرمایا — سچ کہو کیا بہت اداس رہے
مجمع غیر ان کے پاس رہا — دس جو رخصت ہوئے پچاس رہے
پڑھیے اس بزم میں خیالؔ غزل
جس میں کوئی سخن شناس رہے

---

پُر نور ہے جہان محبت کے داغ سے — روشن ہے دیر و کعبہ اسی اک چراغ سے
بلبل کے نالے اور بھی وحشت بڑھائیں گے — تفریح خاک ہوگی مجھے سیرِ باغ سے
کافی ہے سرخوشی کو مری یادِ چشمِ مست — مینا سے کچھ غرض ہے نہ مطلب ایاغ سے
اللہ! منعموں کو بھی کیا ہی غرور ہے — لیتے ہیں یہ سلام بھی تو کس دماغ سے

دنیا میں جس نے جتنے کئے کم تعلقات
اتنی ہی اس نے اپنی بسر کی فراغ سے

دل دے نہ کوئی کوہکن اور قیس کی طرح
آتی ہے روز و شب یہ صدا کوہ و راغ سے

بے بحث اگر تلاش سے ہوتا حصول کام
پالیتا آبِ خضر سکندر سیر لغ سے

ہم رکھ دیں اس کے آگے کلیجا نکال کر
سُن لیں خبر جو یار کے آنے کی زاغ سے

فرقت میں رنج و غم سے فراغت کہاں خیالؔ
کوسوں ہے دور یہ دلِ محزوں فراغ سے

---

حسرتوں سے بھرا ہوا دل ہے
صبر کو راہ ملنی مشکل ہے

بحرِ پُر شور، موج طوفانی
رخنہ کشتی میں دور ساحل ہے

ایک تیر اور اے نگاہِ ناز
نیم بسمل ابھی مرا دل ہے

ختم ہوگی نہ حشر تک رہِ شوق
قبر تو اس کی پہلی منزل ہے

عقل کچھ اور کہتی ہے دل اور
مانیئے کس کی بات مشکل ہے

ہاتھ رنگیں ترا حنا سے سہی
آستیں پر تو خونِ بسمل ہے

وہ ترے ناز اٹھا نہیں سکتا
غیر کا دل بھی کیا مرا دل ہے

توشۂ صبر زادِ راہِ عشق
شوقِ دل رہنمائے منزل ہے

کس جگہ ڈوبتی ہے کشتی ہائے
آنکھ کے سامنے ہی ساحل ہے

رہروِ عشق کا خدا حافظ
پُر خطر ایک ایک منزل ہے

اب وہ تم ہو نہ وہ تمہاری نگاہ
میں وہی ہوں وہی مرا دل ہے

غم کونین سے فراغت ہے
لطف یہ بے خودی میں حاصل ہے

حور سے خوب تر وہ غیرتِ حور
رشک فردوس اس کی محفل ہے

ڈوب کر بحرِ غم سے ہوگی نجات
قعرِ دریا ہی اس کا ساحل ہے

دیکھ ظالم کڑی نظر سے نہ دیکھ ۔۔۔ دیکھ نازک یہ شیشۂ دل ہے

خیر گزرے[1] خیالِ پیری میں
عمر کی آخری یہ منزل ہے

بہت مشکل ہے چھٹنا بحرِ غم کا ساتھ اس دل سے ۔۔۔ جدا ہوتا نہیں دریا کبھی آغوشِ ساحل سے

مری مشکل کی آسانی ہوئی ہے سخت مشکل سے ۔۔۔ نزاکت سے چھپا پڑتا ہے خنجر دستِ قاتل سے

غرض خلوت گزینوں کو نہیں یاروں کی محفل سے ۔۔۔ مزے ہیں چپکے چپکے باتیں ہوتی رہتی ہیں دل سے

نہ بھولے آدمی باقول یہ ہرگز حُسن والوں کی ۔۔۔ ہوا ہے تجربہ مجھکو کسی کے عہدِ باطل سے

یہ سودا سر سے جائے گا؟ کبھی سر سے نہ جائے گا ۔۔۔ تری دھن دل سے نکلے گی؟ نہ نکلے گی کبھی دل سے

تم اپنے طالبِ دیدار سے ناحق اُلجھتے ہو ۔۔۔ جو اربابِ ہمم ہیں جُھجک کے ملتے ہیں وہ ساحل سے

وہ کہتے ہیں کہ آنسو کا نکلنا ہم نہ مانیں گے ۔۔۔ کہیں ٹپکا بھی ہے دنیا میں روغن آنکھ کے تل سے

اسے کہتے ہیں گردش راہ بھولے بھٹکے پھرتے ہیں ۔۔۔ قریب آ کر بھی گویا ہم ابھی ہیں دور منزل سے

ملاپ اب اُن سے مجھسے پھر ہو ویسا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ گرہ جو پڑ گئی دل میں نکلنے کی نہیں دل سے

لیے ہیں امتحاں لاکھوں پھر اب کیا آزماتے ہو ۔۔۔ تعجب ہے کہ جی بھرتا نہیں تحصیلِ حاصل سے

اڑا دے سر، لگا ایک اور خنجر، رحم کر قاتل ۔۔۔ یہی آواز آتی ہے گلوئے نیم بسمل سے

دلِ پُر داغ کی جو شان ہے سب سے نرالی ہے ۔۔۔ ملا لو اس کے لالے سے لڑا لو ماہِ کامل سے

اِدھر ہے رعب مجنوں کو اُدھر شرماتی ہے لیلیٰ ۔۔۔ صبا اب تو ہی پردے کو ذرا سرکا دے محمل سے

سناتا کیا ہے رہبر، ہم کو کچھ پروا نہیں سُن لے ۔۔۔ ڈرے ہیں اہلِ ہمت بھی کبھی تکلیفِ منزل سے

تمہارا دونوں دم بھرتے ہیں ہم بھی غیر بھی سچ ہے ۔۔۔ مگر ہے فرق کوئی دل سے کوئی اوپری دل سے

خیال ایک دن وہ تھا صورت سے میری ان کو نفرت تھی ۔۔۔ خدا کی شان ہے اب چاہتے ہیں وہ مجھے دل سے

---

[1] ہانگو (زخ)

فراغت گوشۂ[1] خلوت میں بھی ملتی ہے مشکل سے
کبھی جھگڑا ہے قسمت سے لڑائی ہے کبھی دل سے

پھرے آخر کو محرومِ تمنا اس کی محفل سے
مقدر دیکھئے ہم خشک لب آئے ہیں ساحل سے

بہت یہ ملتا جلتا ہے تیرے رخسار کے تل سے
اسی سے سب سویدا کو لگائے رہتے ہیں دل سے

درِ مقصود تک دیکھیں پہنچتا کون ہے یارب
تھکے ماندے یہاں لاکھوں پڑے ہیں دورِ منزل سے

دمِ بسمل عزیزوں سے یہی اپنی وصیت ہے
لہو کی چھینٹ کو دھو ڈالنا دامانِ قاتل سے

گئے وہ دن جو ہر دم لوٹتے تھے وصل کی دولت
اب ان کا ایک نظر بھی سامنا ہوتا ہے مشکل سے

تعجب ہے کہ پیری میں بھی داغِ عشق باقی ہے
سحر ہوتے ہی ورنہ شمع اٹھ جاتی ہے محفل سے

مری حالت وہ پوچھیں سنکے رو دیں میں نہ مانوں گا
مرے خوش کرنے کو قاصد یہ باتیں گڑھیں دل سے

تیرے خلخالِ پا کی یاد آ آکر ستاتی ہے
جنوں اپنا بڑھا کرتا ہے آوازِ سلاسل سے

وہ اپنے حسن کا صدقہ کوئی بوسہ تو کیا دیں گے
بطورِ نذر نقدِ دل بھی لے لیتے ہیں سائل سے

نہ کر یوں نعرہ مستانہ پیہم بس کر اے مجنوں
کہ ناقہ وجد کرتا ہے گرے لیلیٰ نہ محمل سے

جو وہ کچھ تن کے بیٹھے آئینے میں عکس تن بیٹھا
مزہ ہے چھڑ گئی ہے آج اک مدِ مقابل سے

عدم کے جانے والوں کی رفاقت کون کرتا ہے
لحد تک سب چلے پھرتے ہیں سب پہلی ہی منزل سے

کہوں کیا اپنی سعیِ نارسا کا حال اے ہمدم
یہ ملتی جلتی ہے پروازِ مرغِ نیم بسمل سے

جنابِ داغ کا فیضان ہے یہ شاعری اپنی
خیال اس فن کو سیکھا ہے بڑے استادِ کامل سے

فرق کیا رہتے ہیں خاص و عام کے
لوٹنے والے ہیں سب اُس کے نام کے

چوم لوں منھ پھیر کلائی تھام کے
لطف اٹھاؤں اور کچھ دشنام کے

سر چڑھانے کا نتیجہ دیکھئے
غیر رد سے رکھتے ہیں الزام کے

---

[1] کنج تنہائی (خ)

کہتے ہیں وہ چاہنے والے کہاں — یہ تو دشمن ہیں مرے آرام کے
رات کے وعدے کو ٹالا اس طرح — دن چڑھے اُٹھتے وہ کوئے شام کے
میکدے میں دختِ رز کے ارد گرد — جمگھٹے رہتے ہیں خاص و عام کے
غیر سے سن کر تری محفل کا حال — رہ گئے ہم تو کلیجا تھام کے
میکدے میں صافیوں کے کام آئے — ٹکڑے ٹکڑے جامۂ احرام کے

اس زمانے میں کہاں راحت خیال
رہ گئے ہیں نام عیش و آرام کے

کچھ جڑی غیر نے آیا جو یہ پیغام مجھے — کیا ملوں تجھ سے[1] کہ تو نے کیا بدنام مجھے
ہنستے ہیں دیکھ کے محرم مے آشام مجھے — دیدے تھوڑی سی کبھی ساقی مے گلفام مجھے
سیکڑوں داغ جو ہر روز دیا کرتے ہیں — ملتے ہیں میری وفاؤں کے یہ انعام مجھے
غیر پیارا ہے تو ہو عرش کا تارا ہے تو ہو — اس سے کیا کام مجھے آپ سے ہے کام مجھے
پاؤں کیا ٹوٹ گئے تیرے تو قاصد بھیجا — خط میں لکھا ہوا آیا ہے یہ الزام مجھے
دیکھوں اب زیرِ زمیں پیٹھ لگے یا نہ لگے — نہ ملا زیرِ فلک تو کبھی آرام مجھے
میں سمجھتا ہوں کہ اب تجھ سے[2] تکلف نہ رہا — لطف آتا ہے جو وہ دیتے ہیں الزام مجھے
واہ ساقی یہ تو دعوت کا ہے اچھا انداز — مے تو اوروں کو ملے دُردِ تہِ جام مجھے
مجھ سے ملتے تو ہیں عاشق نہ کہیں وہ نہ کہیں — کام سے کام مجھے نام سے کیا کام مجھے
بے کسی عشق کی کہنے میں نہیں آسکتی — سمجھو اک طائرِ محبوسِ تہِ دام مجھے
منھ بھلائے ہوئے بیٹھیں نہ سرہانے آپ — جائیے جائیے اب ہوگیا آرام مجھے
اس کو نے فیض سمجھتا تو ہوں میں بھی ناصح — کیا کہوں گھیرے ہوئے ہے طمعِ خام مجھے

---

[1] اصل تجھے (ضہ، ۱۸۶۵ء)، [2] اصل تجھے (قد)

چپ ہوں میں مہرِ محبت کی لگی ہے منہ پر
جھوٹ سچ آپ دیے جایئے الزام مجھے

کیا خبر تھی کہ محبت میں تباہی ہوگی
رات دن گھیرے رہیں گے غم و آلام مجھے

مجھ سے اس بت کی پرستش نہیں چھٹنے کی خیال
کہیں کافر تو کہیں صاحبِ اسلام مجھے

کچھ خبر ہے عاشقِ ناکام کی؟
مشکل اب ہے صبح ہونی شام کی

بن گیا صافی مئے گلفام کی
چمکی قسمت جامۂ احرام کی

آستانِ یار پر تربت بنی
مر کے ہاتھ آئی جگہ آرام کی

ہر طرف رہتی ہے ساقی کی نگاہ
چار سو ہوتی ہے گردش جام کی

مجھ سے تھک کر اس کو سمجھانے چلا
بات اب ناصح کو سوجھی کام کی

عیشِ گلشن کی نہ پوچھو سرگذشت
کلفتیں سُن لو قفس کی دام کی

دیکھنا کیا ہے مروت آنکھ کی
کیا مسرت مے سے خالی جام کی

دوست وہ جو دوستوں کے کام آئے
خود غرض کی دوستی کس کام کی

غرض مطلب کو گئے پچھتا کے آئے
جاتے ہی بوچھار تھی دشنام کی

دھڑ سے واعظ ہدایت ہو نہ ہو
ہو گئی شہرت تو تیرے نام کی

دل میں چشمِ مست ساقی کی ہے یاد
آنکھوں میں پھرتی ہے گردش جام کی

ہو رہے گی دو بدو بھی گفتگو
ہو گئی ہے ابتدا پیغام کی

باوفا وہ ہوں کہ اربابِ وفا
سب قسم کھاتے ہیں میرے نام کی

وحشتِ دل نے کیا آوارہ گرد
کیا شکایت گردشِ ایام کی

آتے ہی دنیا میں رو دیتا ہے طفل
فکر ہے آغاز میں انجام کی

آشیاں چھوٹا چھٹی گلشن کی سیر
ہائے ری قسمت اسیرِ دام کی

کر دیا فارغ غمِ کونین سے
خیر ہو ساقی کی، خم کی، جام کی

ہوش کھو بیٹھا محبت میں خیالؔ

صبح کی پوچھی تو بولا شام کی

جان لینی تو قضا کا کام ہے — مفت میں قاتل مرا بدنام ہے

گالیاں دینے لگے جب خوش ہوئے — یہ نئی بخشش نیا انعام ہے

دل ہے اے ناصح اسے کیوں کر بھلائیں — ہائے کیسا پیارا پیارا نام ہے

یہ وفا، ایسی وفا، اتنی وفا — بندہ پرور خاص میرا کام ہے

ہو گئی موقوف ساری رسم و راہ — اب کہاں وہ نامہ و پیغام ہے

حسن کو اپنے وہ کچھ کہتے نہیں — عشق میرا موردِ الزام ہے

ہے صبا کو دشمنی صرصر کو لاگ — خاک ہونے پر بھی خاک آرام ہے

یہ ملا شرحِ مصیبت پر جواب — دل لگانے کا یہی انجام ہے

امتحاں سے میں ڈروں اچھی کہی — سرفروشی عاشقوں کا کام ہے

کیا کہوں کیونکر کہوں عاشق ہوں میں — عشق اک ہم رتبہ لفظِ عام ہے

کورا کورا سوندھا سوندھا پاک صاف — پی لے زاہد یہ اچھوتا جام ہے

ابتدا ہے عشق کی ہے انتہا — موت کا آغاز ہی انجام ہے

لے چکے دل جان بھی لے لیجئے — اس کے آگے پھر خدا کا نام ہے

اُن کے وعدے پر خیالؔ اتنی خوشی

آپ کا کیسا خیالِ خام ہے

---

الٰہی وہ بھی کیا دن تھے نہ تھا جب دل کو غم کوئی — نہ آتا تھا ستم ان کو نہ ہوتا تھا ستم کوئی

تصور ان نگاہوں کا نہیں جاتا نہیں جاتا — ہے دو دو سامنے تولے ہوئے تیغ دو دم کوئی

کسی درد آشنا کی ہائے وہ حسرت بھری باتیں — جہاں ہمدرد تنہائی میں ہوتا ہے بہم کوئی

حلف سچائی پر ان کی دلِ ناداں اٹھاتا ہے
تماشا ہے کرے وعدہ کوئی کھائے قسم کوئی

بھلا اب فاتحہ کو آنے کی امید کیا ہوگی
بجا ہے ہی پڑا ہے دل جب نہ آیا دو قدم کوئی

نہ الجھو منعمو ہم بے نواؤں سے دھرا کیا ہے
نہ قوت بازوِ دل میں نہ کیسہ میں درم کوئی

خدا کی شان ڈر ڈر کر مرے دل کے تڑپنے سے
تسلی آج کیا کیا دے رہا ہے دمبدم کوئی

جہاں جاتا ہے واعظ کوئی سنتا ہی نہیں اسکی
نہ کھوئے یا خدا اس طرح دنیا میں بھرم کوئی

گئے وہ دن کہ سو سو نامہ بر آئے تھے دن بھر میں
کیے ہے بند اب خط و کتابت یک قلم کوئی

پھریرا دودِ دل کا اور نقارہ ہے ماتم کا
سپاہ عشق میں ڈنکا کہاں کیسا علم کوئی

دغا کی، بے وفائی کی، ہمیشہ کج ادائی کی
اٹھا رکھا ہے کیا ظالم نے اندازِ ستم کوئی

خیالؔ ابلہ فریبی کے لئے سارے کرشمے ہیں
ہوا پیرِ مغاں کوئی بنا شیخِ حرم کوئی

---

دلبر کے ہجر دل کی جدائی کا غم مجھے
گھیرے ہوئے ہیں عشق میں رنج و الم مجھے

گویا میں اپنی زیست سے بیزار ہی نہیں
دیتے ہو تم جو میرے ہی سر کی قسم مجھے

ہوتی اگر نہ راہ میں دکانِ مے فروش
کب چھوڑتی کشاکشِ دیر و حرم مجھے

کہتا رہا "درست" "بجا" بات بات پر
کرنا پڑا وہاں سرِ تسلیم خم مجھے

قاصد تیرا بیان کہ وہ مہرباں ہے اب
آتا نہیں یقین خدا کی قسم مجھے

اس رشک نے نہ رکھنے دیا اس گلی میں پاؤں
رستا بتائے غیر کا نقشِ قدم مجھے

دل چھپیوں سے منزلِ ہستی کی کیا غرض
جانا ہے ایک دن سوئے ملکِ عدم مجھے

ہوتا ہے یہ ملال کہ تم کو ملال ہے
مرتے بھی ہیں رقیب تو دیتے ہیں غم مجھے

مستِ مدام اسی کی بدولت ہوں اے خیالؔ
دل کیا دیا خدا نے دیا جامِ جم مجھے

وصل کا دھیان ہے کیا مشکل ہے — فکر ہر آن ہے کیا مشکل ہے

جس سے ارمان نکلنا ہے محال — اس کا ارمان ہے کیا مشکل ہے

دل جو تھا مشورہ دینے والا — آپ حیران ہے کیا مشکل ہے

راز کہنا ہے بھری ہے محفل — یار نادان ہے کیا مشکل ہے

مہرباں تم تو ہو تو کچھ بات نہیں — وصل آسان ہے کیا مشکل ہے

دل بھی ضد ہی انہیں بھی ضد ہے — دونوں کو آن ہے کیا مشکل ہے

عشق ناصح کی نظر میں ہے گناہ — کفر ایمان ہے کیا مشکل ہے

غمزہ و ناز ہیں خواہاں دونوں — ایک ہی جان ہے کیا مشکل ہے

حال دل اُن سے کہوں یا نہ کہوں — عقل حیران ہے کیا مشکل ہے

بہت ارمان ہے اس در پہ گذر — دوست دربان ہے کیا مشکل ہے

کون سی فکر ہے کچھ کہہ تو خیالؔ
کیوں پریشان ہے کیا مشکل ہے

---

آپ آتے نہیں مہمان بڑی مشکل ہے — کچھ نکلتا نہیں ارمان بڑی مشکل ہے

غم دنیا، غم دیں، درد محبت، یہ، وہ — سو بلاؤں میں ہے انسان بڑی مشکل ہے

غیر کے گھر اگر آنا ہے تو آ کر مل جاؤ — آج آیا ہے یہ فرمان بڑی مشکل ہے

غرض مطلب جو کنایوں سے کبھی کرتا ہوں — تو وہ بن جاتے ہیں انجان بڑی مشکل ہے

ترک الفت کے لئے دل کو بہت سمجھایا — مانتا ہی نہیں نادان بڑی مشکل ہے

عشق جس کا ہے وہ کافر ہے عدوئے ایماں — مجھ کو ایمان پہ ایمان بڑی مشکل ہے

حال دل کہنے کو ہم آئے بھی پاس ہے جو خیالؔ
تو پریشان ہیں اوسان بڑی مشکل ہے

اگر کاوش یہی ہے آسماں کی | تو کیا اُمید ہے نام و نشاں کی
جو گردش دیکھ لے چشم بتاں کی | نہ یوں گردش رہے پھر آسماں کی
نہایت تند ہیں صرصر کے جھونکے | الٰہی خیر کرنا آشیاں کی
ستم وہ ڈھا رہے ہیں گھر بلا کر | تواضع ہو رہی ہے میہماں کی
تڑپنے کا مزہ کچھ اور ہوتا | بلندی اور ہوتی آسماں کی
جنونِ عشق میں دنیا کو دیکھا | تلاشِ یار میں سیرِ جہاں کی
ستم کس نے کئے، کیا کیا نہ پوچھو | نہ کھلواؤ زباں مجھ بے زباں کی
نہ آہ اب ضعف سے آتی ہے لب تک | نہ طاقت ہی رہی ضبطِ فغاں کی
وفا کی ہوگی کب تک آزمائش | کوئی حد بھی ہے آخر امتحاں کی
تمہارے عاشقوں کو بھی ستائے | یہ گستاخی تو دیکھو آسماں کی
انہیں کو کھینچ لائے جذبۂ دل | خوشامد کیوں کریں ہم پاسباں کی
پہنچتے ہیں مرے نالے سرِ عرش | خبر لاتی ہیں آہیں آسماں کی
یہی ہے اپنی طاقت اپنا تقویٰ | اطاعت کرتے ہیں پیرِ مغاں کی

خیالؔ اس کا کوئی ثانی نہ دیکھا
بہت اس عشق میں سیرِ جہاں کی

---

دیکھ کر مجھ کو وہ فرماتے ہیں پہچان گئے | تم بھی ہو چاہنے والوں میں یہ ہم جان گئے
کان کی بات کا میری وہ بُرا مان گئے | کیا ہی جھنجھلا کے کہا جب ہو میرے کان گئے
تم کہاں بندہ نواز اور یہ میخانہ کہاں | ہم تو اے حضرتِ واعظ تمہیں پہچان گئے

ہائے وہ آئے شبِ وعدہ کسی کا کہنا — جذبۂ دل کا اثر آج تو ہم مان گئے

آنیوالوں کا اس خانۂ ہستی کے یہ حال — آئے مہمان یہاں اور پشیمان گئے

اپنے عاشق کا تڑپنا نہیں دیکھا جاتا — اِک ذرا پھر تو یہ کہہ ہم ترے قربان گئے

قبر میں بھی ترا دیوانہ اکیلا نہ گیا — حسرتیں ساتھ گئیں غم گئے ارمان گئے

میری حیرت پہ منہ آتے تھے جنابِ ناصح — آج اُسے دیکھ کر حضرت کے بھی اوسان گئے

اوّل اوّل انہیں انکار پہ اصرار رہا — آخر آخر مِری ہر بات مگر مان گئے

عید کا چاند ہوا مژدہ قدح نوشوں کو — روزے اب ختم ہوئے حلق کے دربان گئے

گری بجلی جو بچ کر آشیاں سے — ڈری شاید مرے سوزِ نہاں سے

فرشتے چیخ اٹھے میری فغاں سے — دُہائی دے رہے ہیں آسماں سے

کہے گی بلبلِ شوریدہ سر کیا — ستم گلچیں کے پوچھو باغباں سے

انوکھی شان انوکھی اُن کی باتیں — نرالے ہیں یہ بُت سارے جہاں سے

مجھے بھی غیر کو بھی آزماؤ — کھلیں دونوں کے جوہر امتحاں سے

وفا کا وعدہ سچا ہے کہ جھوٹا — یہ کہدو سچے دِل سچی زباں سے

جو میں پہنچا وہ کس شوخی سے بولے — ارے کمبخت تو آیا کہاں سے

شبِ وعدہ نہیں پڑتیں یہ بوندیں — برستی ہیں بلائیں آسماں سے

دل و دلبر کے جھگڑوں میں پڑے کون — قدم باہر ہی اچھا درمیاں سے

لڑائی سی[1] لڑائی تھی شبِ وصل — زباں بھی لڑتی جاتی تھی زباں سے

جو میرا داغِ دل چمکا وہ بولے — نیا سورج نِکل آیا کہاں سے

---

[1] کیا مزے کی تھی د غ

وہ باور ہی نہیں کرتا میری بات
کہوں کیا حالِ دل اس بدگماں سے

چمن سے دور بوئے گل سے محروم
قفس میں قید الگ ہوں آشیاں سے

دعائے بے اثر سے دل کو شکوہ
دعا کو میری تاثیر زباں سے

نہ ٹھہرے ناقہ یہ تھا حکم لیلیٰ
خفا ناحق ہے مجنوں سارباں سے

نہ دنیا کے نہ عقبیٰ کے رہے ہم
گئے گزرے ہوئے دونوں جہاں سے

خیالؔ اس سے خیالِ وصل کیسا
امید مہر کیا نامہرباں سے

نہ نکلا کام کچھ آہ و فغاں سے
اثر کو لاگ ہے گویا زباں سے

نہ اٹھوں گا درِ پیرِ مغاں سے
بلا جو کچھ بلا اس آستاں سے

نظر اپنی برائی پر جو ڈالی
برے ٹھہرے ہیں سارے جہاں سے

بلایا بھی مجھے کی گفتگو بھی
مگر پردہ نہ اٹھا درمیاں سے

جگر کے خار حسرت بن گئے آہ
یہ کانٹے پھوٹ کر نکلے زباں سے

جوانی میں غمِ الفت سے ہوں زرد
بہار اپنی مشابہ ہے خزاں سے

بسر کی عمر غفلت میں صد افسوس
کبھی چونکے نہ اس خوابِ گراں سے

اسی کا تابعِ فرماں ہے یہ بھی
ستم کی کیا شکایت آسماں سے

ستا لو جس قدر چاہو ستا لو
کبھی اُف تک نہ نکلے گی زباں سے

بنا مجنوں کے سر کا طرۂ تاج
گرا تنکا جو میرے آشیاں سے

دکھائی جذبۂ الفت نے تاثیر
نظر آتے ہیں وہ کچھ مہرباں سے

چلے تم گھر تو خیر اتنا تو کرنا
ہمیشہ لکھتے رہنا خط وہاں سے

نہیں ملتے کسی انساں سے زاہد
فرشتے آئیں گے کیا آسماں سے

یہ مستانہ سخن مسجد سے آ کر
خیال آتے ہو سچ کہنا کہاں سے

ستاتی ہے انہیں راتوں کو جا جا کر فغاں میری
یہ ظالم ایک دن کٹوا کے چھوڑے گی زباں میری

سنا ہے آج وہ مجھ سے سنیں گے داستاں میری
الٰہی اور کچھ بڑھ جائے تاثیرِ زباں میری

رہی یہ سوچ کر خاموش محشر میں زباں میری
زبانِ تیغ قاتل خود کہے گی داستاں میری

صنم خانے میں بھی ٹکراتی پھرتی ہے فغاں میری
حرم ہی میں نہیں کچھ گونجتی رہتی اذاں میری

ذرا سوچو ذرا سمجھو تم کس کے ہوئے مجھ پر
پشیماں ہو گئے تم سنکر نہ پوچھو داستاں میری

رہِ الفت میں تنہا چھوڑ کر رخصت ہوئی آخر
کہاں تک ساتھ میرا دیتی جانِ ناتواں میری

شکست پے بہ پے سے اور کوشش بڑھتی جاتی ہے
کریں گی کامیاب اک دن یہی ناکامیاں میری

مری حسرت میرے رازِ نہاں کو فاش کرتی ہے
زباں بنکر خموشی کہتی ہے خود داستاں میری

جنوں کا یہ تقاضا ہے نہ رکھ اک تار بھی باقی
گریباں کو شکایت ہے اڑا دیں دھجیاں میری

تمہاری ہی ادا و ناز کا یہ کارنامہ ہے
تمہاری ہی تو گویا داستاں ہے داستاں میری

کہوں کیا حال تم اب پرسشِ احوال کو آئے
نہ جب بس میں مرا دل ہے نہ قابو میں زباں میری

نبا ہو تم کسی سے چار دن یہ ہو نہیں سکتا
کبھی جو مجھ سے تم سے میری یہ خوبی ہے ہاں میری

ابھی آئے ابھی کیا جاتے ہو دو دن تو رہ جاؤ
کہو کچھ سرگذشت اپنی سنو کچھ داستاں میری

دیا ہے درد اس نے اپنی حالت کیا کہوں کس سے
خود اس پر بے کہے ساری حقیقت ہے عیاں میری

خیال استاد کا یہ فیض ہے اللہ انھیں بخشے
جو دل کی زباں سے ملتی جلتی ہے زباں میری

نئے رنگ کی بہار تیری انجمن میں ہے
جاتا ہے کیا چمن کو دھرا کیا چمن میں ہے

ایسا نہ ہو کہ اس سے بھی محروم ہی رہوں
اب ایک تیر ترکشِ ناوک فگن میں ہے

محوِ خیالِ یار ہے دنیا سے بے خبر
خلوت نشیں کی طرح بھری انجمن میں ہے

آیا تھا کون صبح کو گلگشت کے لئے — خوشبو کچھ اور آج نسیمِ چمن میں ہے

اپنی نظر سے سیکھ طریقہ سلوک کا — دیکھ آنکھیں کھول کر یہ مسافر وطن میں ہے

گھیرے ہوئے ہے دل کو خیال اسکی زلف کا — جب دیکھئے یہ چاند ہمیشہ گہن میں ہے

لطفِ سخن میں اُس کے تو قاصد سخن نہیں — کیں باتیں اُس نے تجھ سے سخن اس سخن میں ہے

دل مجھ سے مانگتے ہیں تجاہل نہ کیجئے — وہ آپ ہی کی زلفِ شکن در شکن میں ہے

مجموعۂ محاسنِ عالم ہے تیری ذات — تنہا بھی تیرے پاس بھری انجمن میں ہے

اس بے دہن کی باتوں پہ ایمان ہے خیال
جو گفتگو ہے اُس کے وجودِ دہن میں ہے

وہ آفت یہ دل کی لگن ہو گئی — کہ اب زندگانی کٹھن ہو گئی

مل اچھوں سے اچھوں سے ملتا ہے فیض — صبا نکہت یاسمن ہو گئی

وہی مے کشی پھر ہے مستی وہی — بہار آ گئے توبہ شکن ہو گئی

انا الحق تھا کیا یہ سوال وصال — کہ تجویز دار و رسن ہو گئی

جہاں شمع پروانے پہنچے وہیں — جہاں تم گئے انجمن ہو گئی

بڑھی سوزشِ عشق، اُٹھی درد آہ — دبی آگ اب شعلہ زن ہو گئی

گئے تھے کہ دل کچھ بہل جائے گا — وہاں گفتگو دل شکن ہو گئی

نہ پوچھو اب اس کی کدورت کا حال — جو تھی ایک من لاکھ من ہو گئی

خموشی ہی مخبر بنی عشق کی — سخن چیں پسِ بے سخن ہو گئی

مجھے دیکھتے ہی وہ برہم ہوئے — شگفتہ جبیں پُر شکن ہو گئی

بپا شور ہے آہ و فریاد کا — قیامت تیری انجمن ہو گئی

مری اشک باری سے جل تھل ہے ایک — یہ بہا دل کی گویا کھبرن ہو گئی

ملے جس جگہ کچھ مسافر نواز — غریب الوطن کو وطن ہو گئی

لگاوٹ نے ظالم کی مارا مجھے
جو تھی راہبر راہزن ہوگئی

بجز غم اُمنگیں کہاں دل میں اب
یہ گلزار بستی تھی بن ہوگئی

نہ نکلی میرے بعد پھر تیری تیغ
یہ پردے کی اب تو دلہن ہوگئی

ستمگاریوں میں فلک کی شریک
لگے ہاتھوں دل کی لگن ہوگئی

رہِ عشق آساں تھی آغاز میں
مگر آخر آخر کٹھن ہوگئی

عبث پیرزن ان کا کیا اعتبار
بڑی جوک اسے کوہ کن ہوگئی

غضب اس کی تیغ ادا نے کیا
شہیدوں کا ڈھیر انجمن ہوگئی

قفس میں اڑے ایسے ہوش و حواس
فراموش یادِ چمن ہوگئی

قیامت کی خوئے وفا نے خیال
قیامت میں مُہرِ دہن ہوگئی

---

پشیماں ہے وہ ظالم کہہ رہا ہے پائمالوں سے
غضب ہے آج واقف ہوگئے تم میری چالوں سے

ملا ناصح کو موقع پوچھتا ہے پائمالوں سے
کہو جی اب تو واقف ہوگئے تم ان کی چالوں سے

پتنگوں کے نتیجے سے سبق لے اے دلِ ناداں
رہے صاحب سلامت دور ہی کی حسن والوں سے

ترحم، عفو، بوسہ، وصل، پیمانِ وفاداری
وہ کہتے ہیں کہ جی گھبرا گیا تیرے سوالوں سے

وہ میکش ہوں کبھی معتاد[1] میں اپنے نہ فرق آیا
بڑھی جب مفلسی کی دوستی پیدا کلالوں سے

تلاشِ یار میں کیا رات دن قصہ ہے کیا کہیے
شکایت مجھ سے چھالوں کو شکایت مجھ کو[2] چھالوں سے

جہاں آئی جوانی فتنہ پردازی سکھا دے گی
ابھی کمسن ہیں وہ واقف نہیں گھاتوں سے چالوں سے

الجھ کر زلف سے آخر کو کھویا دانت شانے نے
الجھنا واقعی اچھا نہیں آشفتہ حالوں سے

---

۱ بمعنی عادت۔ ف ۲ اصل مجکو۔ ف

خیالِ اربابِ حاجت سے کبھی جھک کر چاہیے ملنا
نہ دیکھا تو نے ملنا شیشۂ مے کا پیالوں سے

---

چتون دیکھی ہے تند خو کی — جرأت کسے اس سے گفتگو کی
دل میں ہے یہ شکل اب آرزو کی — جیسے کوئی بوند نہ ہو لہو کی
قدغن ہے بیان آرزو کی — یہ شرط نئی ہے گفتگو کی
بلبل سے ناز کب تک اے گل — کے دن ہے بہار رنگ بُو کی
ہم مست مناتے رہتے ہیں خیر — ساقی کی، جام کی، سبُو کی
اک حشر بپا کیا ہمیشہ — چال اس کی کبھی نہ چال چو کی
ہر بات میں ہیں ہزار پہلو — کیا بات تمہاری گفتگو کی
کب اس قابل رہا گریباں — کوشش بے سود ہے رفو کی
کچھ رنگ نہ لائے دیکھ قاتل — دامن پہ جو چھینٹ ہے لہو کی
پیاسا ہے مئے وصال کا دل — آنکھیں دیدار کی ہیں بھو کی
پیغام میں دور کے مزہ کیا — کچھ اور ہے بات دو بدو کی
دشنام بھی اس کے منھ کی پیاری — ہر بات ہے خوب خوب رو کی
صیقل ہوئی آج تیغ قاتل — چمکی قسمت رگِ گلو کی
روٹھے ہوئے کو منا کے لائے — گھڑیوں منت کی آرزو کی

مے خانے میں جب خیال آئے
تلچھٹ تک پی گئے سبُو کی

دعا جو کی تھی الٰہی وہ خوبرو آئے — یہ مدعا تو نہ تھا ہمرہِ عدو آئے
تڑپ کے کاش پہنچ جاتے بام پہ انکے — تڑپنے والے عبث آسماں کو چھو آئے

ہزار میں تجھے پہچان لیں گے تو آیا
ہزار روپ بدل کر اگرچہ تو آئے

شباب کیا نہ اگر دل میں جوش و ولولہ ہو
بہار کیا نہ اگر گل میں رنگ و بو آئے

شکایت ان کو یہ ہے اپنے ملنے والوں سے
جب آئے ساتھ لئے کوئی آرزو آئے

مرے لہو کو نہ دھو اپنے آستینوں سے
کہ تجھ میں کچھ بھی تو ظالم وفا کی بو آئے

جناب شیخ سے سیکھے کوئی ادب آداب
یہ میکدے میں جب آئے تو باوضو آئے

لگاؤ کچھ نہ ہو جس سے حجاب کیا اُس سے
نقاب ڈال کے کیوں میرے روبرو آئے

انہیں خبر نہیں اے دل کہ یہ ہے سیل سرشک
وہ سیل آب رواں کو کنارے جو آئے

کشاں کشاں تجھے لایا ہے خوف طعنۂ خلق
وگرنہ میری عیادت کو اور تو آئے

خبر ہے پیر مغاں کس کی آمد آمد کی
نئے نئے جو یہاں کوزہ و سبو آئے

وہ بولے دیکھ کے محشر میں دادخواہوں کو
یہ باوفا ہیں کہ لینے کو آبرو آئے

محاورات بندھے صاف و روزمرہ ہوں
غزل کا لطف یہ ہے لطف گفتگو آئے

خیالؔ اس لئے خود بڑھ کے آج امام بنے
نمازیوں کو بغل کے نہ مے کی بُو آئے

جو امتحانِ وفا کو وہ تُند خو آئے
ترا جگر نہیں اے بوالہوس کہ تو آئے

ہے استفادۂ صحبت کو شرطِ استعداد
محال ہے کبھی کانٹوں میں گل کی بو آئے

وہ سجدہ کیوں نہ کرے بے خودی میں چار طرف
ترا ہی جلوہ نظر جس کو چار سُو آئے

جب آئے تم تو بڑھانے کو آئے حسرت کے
کبھی نکالنے کو میری آرزو آئے

یہ کہہ رہا ہے کسی کا جمال ہوش رُبا
کرے جو ہوش کا دعویٰ وہ روبرو آئے

وہ آپ آتے یہاں بھیج دی ہے کیا تصویر
نہ حظِ ناز نہ کچھ لطف گفتگو آئے

ہجوم یاس سے دل بھر گیا یہ خوب ہوا
جگہ نہیں رہی باقی کہ آرزو آئے

بہائے اشک ہوئے اس گلی میں رسوا ہم
ملائے خاک میں موتی سی آبرو آئے

نسیم تجھکو مبارک بہار کا آنا
قفس میں ہوں مجھے کیا لطف رنگ و بو آئے

بتوں کی ساری حقیقت برہمنو کھل جائے
ابھی زبان پر اپنی جو اک ہو آئے

حرم تھا دور نہ چوما جو سنگ اسود کو
صنم کدے میں بتوں کے قدم تو چھو آئے

اسے حیا نہیں کہتے یہ ظلم ہے ظالم
غضب ہے خواب میں بھی منہ چھپا کے تو آئے

خدا کی شان کے قربان او بُتِ بے درد
تسلیاں مجھے دینے کو اور نہ تو آئے

خیال وصل کی شب اور ہجر کا گلہ کیسا
خوشی میں کیوں کوئی رنجش کی بو آئے

کنوئیں جھنکائے نہ زلف و دل کہیں یہ خو تیری
بتوں کی چاہ میں ڈوبے نہ آبرو تیری

ترا یہ حال حیا سے کہ بیٹھے خاموش
مجھے یہ شوق سُنے جاؤں گفتگو تیری

ترس ترس گئیں فرقت میں دید کو آنکھیں
تڑپ تڑپ کے رہی دل میں آرزو تیری

وہی مثل یہ ہوئی "آنکھ کا گلہ بھوں" سے
شکایتیں کرے مجھ سے مرا عدو تیری

کدورت اس کی تو اب تک ہوئی دو دل آشنا
مری نظر میں ہو کیا خاک آبرو تیری

چہک کے رہ گئے بلبل چٹک کے غنچہ و گل
کوئی اڑا نہ سکا طرز گفتگو تیری

حریم دل سے نکلتی نہیں کبھی باہر
تجھی سی پردہ نشیں نکلی آرزو تیری

خدا کی شان کے قربان اپنے غش کے نثار
سنگھائے تخلخہ یوں زلف مشکبو تیری

مرا رقیب ہی نکلا جسے جہاں دیکھا
کہاں کسے نہیں رہتی ہے آرزو تیری

جبھی تو جامے میں پھولے نہیں سمائے گل
کچھ ان میں رنگ ہے تیرا کچھ ان میں بو تیری

غضب کا رشک ہے محروم دید آنکھوں کو
سنی جو کانوں نے پردے سے گفتگو تیری

جگر میں درد بنی دل میں داغ لب پر آہ
بنا بنا کے دکھی بھیس آرزو تیری

بنائے خامۂ نقاش نے بہت نقشے
مگر نہیں تیری تصویر ہو بہو تیری

نہ طرف کعبہ سے مطلب نہ سر دیر سے کام
کشاں کشاں لئے پھرتی ہے جستجو تیری

کرم کا بھی کچھ اشارہ غضب کی دھمکی بھی — امید و بیم میں رکھتی ہے گفتگو تیری

تجھے کہاں کوئی سمجھے کدھر کو سجدہ کرے — تجلیاں نظر آتی ہیں چار سُو تیری

چمک رہا ہے ترا نور ذرے ذرے میں — مہک رہی ہے ہر اک پنکھڑی میں بو تیری

منا لیا انھیں آخر خوشامدوں سے خیال

وہ ہنس کے بولے کہ جادو ہے گفتگو تیری

عشق بازی مرا وتیرہ ہے — دل میں داغوں کا ایک ذخیرہ ہے

دیکھ کر تیری چاند سی صورت — چشم انجم فلک پہ خیرہ ہے

دشمنی دوستی کے پردے میں — یہ بھلا کون سا وتیرہ ہے

داغ ہیں یا شقایق نعمان — دل ہے یا سرزمین حیرہ ہے

عشق ہے کون سا گناہ آخر — یہ کبیرہ نہ یہ صغیرہ ہے

راز داں جو ہوا ہوا دشمن — یہ ترے دور کا وتیرہ ہے

ایک سی زلف کی ہے یاد خیال

ان دنوں روزگار تیرہ ہے

زمانہ پھر تو کہتا ہے کہ سب سے دوستی اچھی — پسند ان کو لڑائی ہے تو خیر اچھا یہی اچھی

وہی سب سے بھلا تو سمجھے جس کی بندگی اچھی — اسی کی زندگی اچھی اسی کی موت بھی اچھی

ترے قربان ناصح ہاں اُسے کچھ جا کے سمجھاتے — مرے دل کی مرے مطلب کی تو نے یہ کہی اچھی

مزہ معشوق کا یہ ہے کہ شوخی ہو شرارت ہو — ادا میں بانکپن اچھا طبیعت چلبلی اچھی

پڑی ہے زندگی بھر توبہ کو پھر توبہ کر لینا — کہاں کا اتّقا پی لو کہی ہے شیخ جی اچھی

شباب آتے ہی آجاتی ہے بے رحمی دل آزاری — حسینوں کی جوانی سے تو ان کی کم سنی اچھی

ستم میں جھیلتا ہوں ناتواں سے اٹھ نہیں سکتا — رقیبوں کی ہوس اچھی کہ میری عاشقی اچھی

ہٹا کر زلف چہرے سے ہٹالی ماہ طلعت نے — برس کر کھل گیا یا دل کھلی ہے چاندنی اچھی

پڑا کیوں ان کے دل میں بل اگر ایسا بنایا تھا — الٰہی سادہ رویوں کے تو دل کی سادگی اچھی

بسر ہو عیش و عشرت میں یہی ہے لطف جینے کا — نہ ہو جب دل کو راحت خاک ایسی زندگی اچھی

خدا دیتا ہے جس کو عقل اس کو غم بھی ہوتے ہیں — کہیں فرزانگی سے یہ میری دیوانگی اچھی

نماز و روزہ پر غرہ نہ کر زاہد خدا سے ڈر — پسند آتا ہے اس کو عجز اپنی عاجزی اچھی

کبھی میں دل کو ہنستا ہوں کبھی دل میری قسمت کو — لگایا جب سے دل رہتی تو ہے اک دل لگی اچھی

اسے اللہ نے مجموعۂ خوبی بنایا ہے — ادا ہے پیاری پیاری ناز اچھا نازکی اچھی

کسی نے جبہ چھینا کوئی عمامے کو لے بھاگا — تواضع حضرت زاہد کی مے خوار ملنے کی اچھی

ملنساروں سے جھک کر چاہیئے انسان سے ملنا — اگر رک کر ملے کوئی تو اس سے بے رخی اچھی

کہا جب غم سے مرتا ہوں کہا اچھا تو ہے خوش ہو — مصیبت جس کو ہو دن رات اس کو موت ہی اچھی

غضب کی سرخی آجاتی ہے گورے گورے گالوں پر — بگڑتے ہو تو کھل جاتی ہے رنگت اور بھی اچھی

سنا جب عاشقوں کی بے بسی کا حال فرمایا — بڑے مفسد ہیں یہ ان مفسدوں کی بے بسی اچھی

خیال اس بے وفا کی دوستی کیا تو یہ بازآ ور
وفا جس میں نہ ہو اس کی وفا سے تو یہی اچھی

مسرت جس سے ان کو ہے میری حالت وہی اچھی — یہ دردِ دل مرا اچھا یہ بیتابی میری اچھی

خوشی ہو وصل کی ور نہ توقع وصل کی اچھی — نہ ہو دونوں میں کچھ جس دن پھر اس دن موت ہی اچھی

خفا جب یار تو بیزار جب وہ خوش تو یہ بھی خوش — طبیعت عاشقوں کی کیا ابھی ناخوش ابھی اچھی

چرائی آنکھ دو بوسوں کے دینے میں یہ دل تنگی — ذرا ہمت کرو دنیا میں عالی ہمتی اچھی

---

ملنساز - دغ

تڑپنا لوٹنا بسمل کا گویا ایک تماشا تھا	وہ کہتے ہیں رہی دو چار گھنٹے دل لگی اچھی

دل و جاں دین و ایمان لے لیا سب دوست کہہ کہہ کر	یہ تم نے بندہ پرور مجھ سے برتی دوستی اچھی

بنا کر صفحۂ ہستی پہ صورت ان حسینوں کی	دکھائی پیارے صورت گر نے کیا صورت گری اچھی

جوانی میں کسی نے توبہ کی ہے آج تک واعظ؟	مے و معشوق سے باز آؤں میں یہ تو کہی اچھی

میرے گھر لڑ جھگڑ کر غیر سے وہ آج آئے ہیں	یہ جھگڑا تو ہوا اچھا مری قسمت لڑی اچھی

خدا کے فضل سے وہ نوجوان معشوق پایا ہے	جیسے صورت ملی اچھی جیسے سیرت ملی اچھی

بہت کہتے تھے سب سے عشق میں تکلیف ہی کیا ہے	اب ان کا بھی کہیں دل آ گیا یہ تو ہوئی اچھی

کھلی دل کی کلی دیکھا جو غنچہ سا دہن ان کا	تبسم کی لگی تھی جس میں نازک پنکھڑی اچھی

تمیز نیک و بد باقی نہیں رہتی محبت میں	جہاں دل آ گیا پھر سوجھتی ہے کب بری اچھی

ملا کے لب سے لب وہ شوخیوں سے پوچھنا ان کا	لب شیریں میرے اچھے ہیں یا شکر تری اچھی

خیالؔ اچھی غزل تو نے سنائی واہ کیا کہنا
ہر ایک مصرع ہے دلکش اس کی بیتیں ہیں سبھی اچھی

آج اگر بات نہ مانی میری	کل ہی سن لوگے سنانی میری

اپنی ہستی بھی نہ جانی اب تک	یہ تو ہے ہیچ مدانی میری

سن کے رحم آ ہی گیا اس بت کو	واہ رے رام کہانی میری

دیکھ کر آئینہ ہنس کر بولے	ایک صورت تو ہے ثانی میری

داغ دے کر وہ یہ فرماتے ہیں	دل میں رکھنا یہ نشانی میری

عرض مطلب وہ سمجھ ہی نہ سکے	ہائے ژولیدہ بیانی میری

کل قیامت میں کروں گا فریاد	آج اگر بات نہ مانی میری

ضعف کے ہاتھ غم فرقت میں	لٹ گئی ہائے جوانی میری

یاد اس دست حنائی کا خیال

اور خونتابہ فشانی میری

لکھے خط میں فقرے جو چلتے ہوئے چلے آئے مجھ تک ٹہلتے ہوئے

رخِ یار پر ہیں ملے غازہ سا عدو رہ گئے ہاتھ ملتے ہوئے

محبت کا آزار جس کو ہوا نہ دیکھا اسے پھر سنبھلتے ہوئے

نظر آج آتی نہیں دل کی خیر وہ آتے ہیں تیور بدلتے ہوئے

شب وصل کی صبح تھی صبح حشر وہ اٹھ کر چلے آنکھ ملتے ہوئے

نہ دیکھا تجھے اے نہال امید کبھی پھولتے اور پھلتے ہوئے

مرے گھر بھی اک دن چلے آیئے خراماں خراماں ٹہلتے ہوئے

جدائی میں اس شمع رو کی خیال

نکلتے ہیں آنسو بھی جلتے ہوئے

شیوۂ یار تو عیاری ہے وضع عاشق کی وفاداری ہے

آپ نے غیر کے آنسو پونچھے میری آنکھوں سے لہو جاری ہے

حشر کا دن بھی نہ ہوگا ایسا ہجر کی رات غضب بھاری ہے

دیکھ کر آئینہ وہ کہتے ہیں واقعی شکل میری پیاری ہے

غیر پر ایک ستم بھی نہ ہوا آپ کی کیسی ستمگاری ہے

دل سے ہے ناز تیرا مجھکو عزیز جان سے بات تیری پیاری ہے

مرتے دم تک نہیں ہوتی صحت عشق بھی کیا بری بیماری ہے

مجھ پر الزام دھرے جاتے ہیں اور غیروں کی طرفداری ہے

---

لہ اصل مجکو (ف) ٹہ اصل مجکو (ف)

اس تغافل کو ہمیں جانتے ہیں — یہ بھی اک طرح کی ہشیاری ہے

لے لو جو چاہو بس اک دل کو نہ لو — مجھ کو[1] یہ چیز بہت پیاری ہے

نہ کرو شکوۂ بیداد خیالؔ
کام عاشق کا وفاداری ہے

ہم نشیں ضد نہ کرو احوال بتانے کے لئے — غم چھپانے کیلئے ہے کہ سنانے کے لئے

دل ملا، سینہ ملا، جسم ملا، جان ملی — داغ کھانے کیلئے رنج اٹھانے کے لئے

دور ہی سے وہ مجھے دیکھ کر ان کا کہنا — پھر یہ حضرت چلے آتے ہیں ستانے کے لئے

امتحان عشق و ہوس کا ہے کل اُس محفل میں — رقیب اب بیٹھتے ہیں جانبازوں آنے کے لئے

چاہیے تھا ترے عشاق کو دل دو ملتے — ایک تجھے دینے کو اک ناز اٹھانے کے لئے

عہد فرہاد ہوا ہم سے تو پہلے ورنہ — چلتے کمبخت کا ہم ہاتھ بٹانے کے لئے

یہی بہتر ہے کہ چپکا رہوں جھگڑا چک جائے — ورنہ باتیں ہیں بہت بات بڑھانے کے لئے

ہوش ہے کیوں نہ ہو پیاری مجھے یہ بیہوشی — آئے تو کھلنے زلف سنگھانے کے لئے

کر دیا عشق نے ہر شخص سے بدظن مجھ کو[2] — اب کسے بھیجوں وہاں ان کو بلانے کے لئے

اے دل اس کو بھی ہے در پردہ محبت تیری — ستم و جور ہیں غیروں کو دکھانے کے لئے

ہم سے عاشق کی محبت نہیں دیکھی جاتی — اس نے یہ عذر نکالا ہے نہ آنے کے لئے

چھوڑ دو وعظ کرو بادہ فروشی واعظ — پیشے بہتیرے ہیں دنیا میں کمانے کے لئے

فائدہ اور تو کچھ چرخ ستمگر سے نہیں — یہ حسینوں کو ہے بیداد سکھانے کے لئے

گھر سے کس بیخودی شوق میں نکلا ہے خیالؔ
اپنے روٹھے ہوئے دلبر کو منانے کے لئے

---

[1] اصل مجکو (ف)۔ [2] اصل مجکو (ف)

عجب درد کی ہے کہانی ہماری — ذرا سُن تو لو تم زبانی ہماری

محبت میں مشکر ہوا نام روشن — ہوئی بے نشانی نشانی ہماری

وہ کہتے ہیں جنت میں سب کچھ تو ہوگا — کوئی شکل بھی ہوگی ثانی ہماری؟

نہ طاقت فغاں کی نہ ضبط فغاں کی — یہ زوروں پہ ہے نا توانی ہماری

بتوں کی پرستش میں عمر اپنی گذری — کٹی کفر میں زندگانی ہماری

بلا کر ہمیں لے لیا آپ نے دل — یہ اچھی ہوئی میہمانی ہماری

ہماری مصیبت میں تیری مسرت — خوشی میں تیری شادمانی ہماری

یہ سر ہے تو قاتل بہت مل رہیں گے — سلامت رہے زندگانی ہماری

لڑکپن ہی سے یہ سمائی ہے اُن کو
قیامت کرے گی جوانی ہماری

چھٹ گئے سب اقربا سب جانے پہچانے ہوئے — جب سے ہم تیرے ہوئے دنیا سے بیگانے ہوئے

تیکھی ہے چتون نگاہیں برچھیاں تانے ہوئے — آئے ہو اس شان سے تم دل میں کیا ٹھانے ہوئے

مبتلائے عشق کیسے فرزانے ہوئے — اک ہمیں ناصح تیری نظروں میں دیوانے ہوئے

عاشقوں کو پھونک دیتی ہے لگی معشوق کی — شمع کے جلتے ہی جلکر راکھ پروانے ہوئے

اس نے رد کا داد خواہی سے یہ کہہ کر روز حشر — تم ہو میرے یا وفا جانے ہوئے مانے ہوئے

نذر قاتل کے لئے کچھ تو بتا اے جان زار — دل جگر تو ناوک و پیکاں کے نذرانے ہوئے

قیس خوش ہے حسن لیلیٰ کی تو شہرت بڑھ گئی — گرچہ مشہور اپنی رسوائی کے افسانے ہوئے

حاتم و نوشیرواں بھی مر گئے مرد اور بھی — نام انہیں کے رہ گئے دل جنکے مردانے ہوئے

مژدہ اے شوق شہادت دیکھ قاتل آگیا — آستیں اُلٹے ہوئے دامن کو گردانے ہوئے

دَور دَورہ تیری چشم مست کا جب سے ہوا — مُغبچے خلوت میں بیٹھے بند میخانے ہوئے

ہم سے یہ پردہ ہے کیسا ہم سے کیا چھپتے ہو اب — تم ازل سے ہو ہمارے جانے پہچانے ہوئے

وہ جہاں پہنچے وہاں عشاق کا مجمع ہوا
شمع جس محفل میں آئی جمع پروانے ہوئے

عاملوں کے ہوش اڑے وحشت طبیبوں کو ہوئی
اک مری دیوانگی سے کتنے دیوانے ہوئے

لیلیٰ و شیریں کے قصے اب کوئی کہتا نہیں
یاد میں تیری فراموش اگلے افسانے ہوئے

مستی اس کی مست جو ساقی کی آنکھوں سے ہوا
قسمت اس کی جس کی قسمت کے یہ پیمانے ہوئے

دیکھ کر اس کو نہ آن اپنی نہ خودداری رہی
دل میں کیا کیا کچھ تھے ہم سوچے ہوئے ٹھانے ہوئے

بوالہوس کا دل جلا ڈالا یہ کہہ کر اس نے رات
شمع پر دیکھو تصدق کتنے پروانے ہوئے

دل بھر آتا ہے تو آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں اشک
مے چھلک جاتی ہے جب لبریز پیمانے ہوئے

دیکھنا واعظ جو اک آنسو ندامت کا گرا
ساتوں دوزخ سرد ہو کر سات خمخانے ہوئے

اس دلِ ویراں کی ویرانی نہ بدلی اے خیالؔ
یوں تو دنیا میں بہت آباد ویرانے ہوئے

نہ ہوں وہ باتیں کبھی جب آشتی سے
غرض کیا؟ کیوں ملے کوئی کسی سے

اشارے ہو رہے ہیں مدعی سے
نہ ہوگا فیصلہ اب منصفی سے

خوشی سے ہو بسر یا ناخوشی سے
تمہیں کیا کام میری زندگی سے

ادھر بسمل تڑپتے لوٹتے ہیں
اُدھر وہ لوٹ جاتے ہیں ہنسی سے

چرا کر دل وہ آنکھیں کیا ملائیں
نظر اٹھتی نہیں شرمندگی سے

سلجھتا ہی نہیں کچھ کام اپنا
الجھتا ہے دم ایسی زندگی سے

میرے ہی ساتھ اتنی بے وفائی
پھر اُمیدِ وفاداری مجھی سے

صبا نے آ کے کیا مژدہ سنایا
کہ غنچے پھولے جاتے ہیں خوشی سے

مری جاں یا زیاں سن کر وہ بولے
کہ ہو سکتا ہے سب کچھ آدمی سے

یہ آدھی رات کو آتا ہے پیغام
ابھی فرصت نہیں سر مستی سے

اڑا کر شوخیوں سے دل کو دلبر
مکر جاتے ہیں پھر کس سادگی سے

کسی[۱] کے نقش پا کو چومنا تھا ۔ غرض کیا ورنہ دشمن کی گلی سے
بجا ہے آپ کا ارشاد ناصح ۔ مگر مجبور ہوں میں اپنے جی سے
یہ کہتا ہے دل مشتاق دیدار ۔ بدل لوں اپنی قسمت آرسی سے
عدو کے وار سے بچنا ہے آساں ۔ مگر مشکل فریب دوستی سے
جبھی ہر دل عزیز اتنی صبا ہے ۔ یہ خود جھک جھک کے ملتی ہے سبھی سے
کبھی دیکھی نہیں بندہ نوازی ۔ میری توبہ بتوں کی بندگی سے

خیال اپنے مقدر سے ہوں نالاں
کوئی شکوہ نہیں مجھ کو کسی سے

ہم اٹھیں کس طرح تیری گلی سے ۔ اٹھا جاتا نہیں بے طاقتی سے
اچاٹ ایسا ہوا دل زندگی سے ۔ نکلتی ہے دعائے موت جی سے
ستم کی داد تجھ سے چاہتا ہوں ۔ تیری فریاد کرتا ہوں تجھی سے
مرے دل کی لگی وہ کیا بجھائیں ۔ انہیں مطلب ہے اپنی دل لگی سے
مروت ہے نہ رحم اس میں نہ انصاف ۔ مجھے پالا پڑا کس آدمی سے
یہ خط کس کا پڑا پایا ہے دیکھو ۔ اٹھا لایا ہوں دشمن کی گلی سے
وہ فرماتے ہیں کیا احسان تیرا ۔ دیا دل تو نے کیا اپنی خوشی سے
میرے شکوے بجا ہیں یا تمہارے ۔ تمہیں کہہ دو ذرا اب منصفی سے
پشیماں ہیں وہ اس کو سر چڑھا کر ۔ پریشاں ہیں عدو کی سرکشی سے
ہوا دام تعلق سے جو آزاد ۔ لگی لپٹی نہیں رکھتا کسی سے
دو عالم میں ہے وہ اپنا نظیر آپ ۔ نرالی شان اس کی ہے سبھی سے

---

[۱] تمہارے (نخ)

دیا ہے جس بتِ بے درد نے درد
یہ دل ہے طالبِ درماں اسی سے

قفس میں بوئے گل سے بھی ہوں محروم
دم آیا ناک میں اس زندگی سے

سنائیں دھمکیاں ترکِ وفا کی
نہ نکلا کام کچھ جب عاجزی سے

مرے آئینۂ دل کی ہے کیا بات
لڑا لو اس کو اپنی آرسی سے

وہ فرماتے ہیں بے غیرت ہیں نارے
یہ آنکھ اپنی ملاتے ہیں کبھی سے

یہ آجاتا ہے ہر فقرے میں ان کے
وہ خوش ہیں میرے دل کی سادگی سے

خیالؔ اپنی زباں جو آتی ہے صاف
ملا یہ فیضِ داغؔ دہلوی سے

بےخود ایسا ترا شیدائی ہے
شنوائی ہے نہ گویائی ہے

زخم کی دل کے جو گہرائی ہے
قلعۂ عشق کی یہ کھائی ہے

خونِ بسمل سے جو پسوائی ہے
رنگ اور اس کی حنائی ہے

آئینہ اور خود آرائی ہے
آپ اپنا وہ تماشائی ہے

کہیں اس کو نہ کسی نے دیکھا
پھر یہ شہرت ہے کہ ہرجائی ہے

ہم ازل سے اسے پہچانتے ہیں
آج کی کیا یہ شناسائی ہے

ایک فرزانہ ہے دیوانۂ عشق
تو ہی ناصح سڑی[1] سودائی ہے

نام مجبوری و ناچاری کا
عرف میں صبر و شکیبائی ہے

ہو گیا ہے مجھے سر اپنا عزیز
جب سے اس در پہ جبیں سائی ہے

دیکھنے والوں کی حیرت دیکھو
اک تماشا یہ تماشائی ہے

اور غمخوارِ شبِ ہجر ہے کون
غم ہی اک مونسِ تنہائی ہے

---

[1] بمعنی، پاگل - (ف)

کیا ترے عہد وفا کا ہو یقیں — میرے ہی سر کی قسم کھائی ہے

اُبھرے آتے ہیں مرے داغِ جنوں — گُل کھلانے کو بہار آئی ہے

نہیں سُنتا وہ کسی کا کہنا — اس کی ہر بات میں خودائی ہے

کہتے ہیں وہ کہ ہمیں ہم ہیں یہاں — دل تیرا مجلسِ تنہائی ہے

داد دیتے ہو وفا کی دل سے — یا فقط حوصلہ افزائی ہے

کعبہ و دیر سے مجھکو کیا کام — تیری چوکھٹ پہ جبیں سائی ہے

خون عاشق سے رنگا کرتے ہو ہاتھ — یہ نیا رنگ خود آرائی ہے

غیر کی باتوں پہ کیا جاتے ہو — چال چکما ہے اڑن گھائی ہے

روز افزوں ہے غمِ عشق خیال
بڑھتی دولت مرے ہاتھ آئی ہے

## ذوقافیتین

---

نکہت زلف دو تا لائی ہے — چارہ گر بن کے صبا آئی ہے

میری آہوں کا یہ اٹھا ہے دھواں — وہ سمجھتے ہیں گھٹا چھائی ہے

نامہ بر کا تو ہوا پر ہے دماغ — اس گلی کی جو ہوا آئی ہے

عرض مطلب پہ یہ ارشاد ہوا — آج شامت تیری کیا آئی ہے

شوق وصل اور ہوا ہے دوتا — اس کی مرضی جو ذرا پائی ہے

بزم میں کل یہ سکھی تری نہ تھی — آج خلوت میں حیا آئی ہے

---

سلہ دغا بازی (ف)

راز دل کاش نہ کہنا مقصود | جرم افشا کی سزا پائی ہے
شب ہجر آئی ہے ناصح کو لئے | ایک بلا اور بلا لائی ہے
مار ڈالے گی قفس میں حسرت | بوئے گل یاد صبا لائی ہے

گھر پہ ہیں، قبر میں اعجاز خیال[1]
ہائے بھائی سے جدا بھائی ہے

---

شکر بندوں سے ادا کیا ہو الٰہی تیرا | فضل ہر بندے پہ ہے نامتناہی تیرا

---

آسرا کیا کسی درویش کا یا شاہ کا | آسرا اللہ کا ہو یا رسول اللہ کا

---

اللہ اللہ جمال اس بت کا | دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا

---

طغیانیِ سرشک سے اے چشم فایدہ؟ | دامانِ دل سے داغ چھڑایا نہ جائے گا
ناصح وہ حسنِ ہوش رُبا تو جو دیکھ لے | تا روزِ حشر ہوش میں آیا نہ جائے گا

---

مانا خیال آپ چھپائینگے راز عشق
چہرے سے آپکے تو چھپایا نہ جائے گا

---

شب فراق نہ آئی کوئی عذاب آیا | نہ چین اکدم آیا مجھے نہ خواب آیا

---

[1] خیال کے بڑے بھائی متوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ (ف)

نظر ملاتے ہی آنکھیں جھکیں حجاب آیا — لگاوٹ اب وہ سمجھنے لگا شباب آیا
خوشی ہو گیا کہ پھرا ہے نامہ پر جواب آیا — اگر جواب کبھی آیا تو نا صواب آیا
یہ کیا غضب ہے جہاں تم سے چار باتیں کیں — قضا کا نیچہ تولے ہوئے عتاب آیا
جو دل میں ہوک اٹھی غش نے آ کے تسکیں دی — ہوا جو ہوش عیادت کو اضطراب آیا

---

غیر کو ہے ستم کشی کا رشک — لطف جلنے میں ہے جلاتے کا

---

پرسشِ حشر سے ڈرتا ہے بہت دل میرا — آپ اقرار ستم کر لیں نہ قاتل میرا
یہ تو سچ ہے مجھے تم سا نہ ملا کوئی حسیں — با وفا کون ملا تم کو مقابل میرا
حُسن کی اس کے تجلی کی جگہ ہے یہ بھی — جل گیا طور تو پھر کیوں نہ جلے دل میرا
آئینے سے وہ خفا ہیں یہ لڑکپن دیکھو — کہتے ہیں اس نے نکالا ہے مقابل میرا
کاش اس طرح ازل میں ہوئی ہوتی تقسیم — مجھکو ملتا تیرا دل اور تجھے دل میرا
اس کی محفل میں پہنچتے ہی گیا ہاتھ سے دل — آ کے ڈوبا ہے سفینہ لب ساحل میرا

---

گفتگو[1] تھی آج ترک عشق ترک پند کی — مجھکو ناصح اور میں ناصح کو سمجھاتا رہا

کون کس کو پوچھتا ہے اس زمانے میں خیال
حق تو یہ ہے شیوۂ مہر و وفا جاتا رہا

---

مومنوں کے دل میں اپنا گھر بتوں نے کر لیا — کیا قیامت آ گئی کعبہ شوالا ہو گیا

---

نئے احباب سے جب ہو ملاقات — پرانے دوستوں کو یاد کرنا

---

[1] باہم تھی (ح)

انگلیاں گھس گھس گئیں لکھنے جو بیٹھا حالِ شوق
رقعے سے خط، خط سے بڑھتے بڑھتے دفتر ہو گیا

---

عمر بھر حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا
کبھی اس شوقِ غلط کار نے سونے نہ دیا
یادِ مژگاں کی کھٹک دل سے مٹائے نہ مٹی
کوئی دم اس خلشِ خار نے سونے نہ دیا

---

دل میرا لیکے ستم برپا کیا
کیا کیا تو نے ستمگر کیا کیا
سنگدل کی کڑی نگاہوں نے
شیشۂ دل کو پاش پاش کیا
لب خاموش نے چھپایا عشق
چشم گریاں نے راز فاش کیا
نعمت بےخودی خدا نے دی
ایک خدائی سے بے نیاز کیا
دل کی چوری میں ان نگاہوں نے
میری آنکھوں سے ساز باز کیا

---

پیمان جو رقیب سے باندھا نہ ٹل سکا
اس کو بھی تو نے میرا مقدر بنا دیا
جنبشِ ابروئے خمدار کو میں نے دیکھا
آج بھوئیچال میں تلوار کو میں نے دیکھا
رگ رگ میں سوزِ غم ہے تپش عضو عضو میں
اس عشق نے مجھے ہمہ تن دل بنا دیا
تیرِ نگاہ ناز سے اللہ کی پناہ
لاکھوں کو ایک آن میں بسمل بنا دیا
میری ستم کشی اسے سنگار تی گئی
آخر ابھار ابھار کر قاتل بنا دیا
سرگرمیاں تھی عہدِ جوانی تک اے خیال
پیری اب آئی ضعف نے کاہل بنا دیا

---

اسی کو چھانٹ ڈالا باغباں نے
میرا جس شاخِ گل پر آشیاں تھا

---

تو ذبح بھی کرنے کو ظالم جو بلائے گا — جو دید کا طالب ہے آنکھوں کے بل آئے گا
جب تک نہیں خود بینی ہر بات میں یکتا ہو — جب آئینہ دیکھو گے ثانی نکل آئے گا

---

رکھا تھا دل میں جس کو سمجھ کر خیالِ زلف — نکلا خدا کی شان وہ سانپ آستیں کا
غافل رہے شباب میں پیری میں بدحواس — دنیا کا کوئی کام بن آیا نہ دین کا

---

تن لاغر کو سمجھا کوئی تنکا آشیانے کا — نہیں تو صید سے صیاد کیا تھا باز آنے کا

---

زمانے میں کیا کیا ہوئے انقلاب — بہت دیکھے چھوٹے بڑے انقلاب

---

آپ کیا ہنستے ہیں میں ناکام اگر مشہور ہوں — آپ کے جور و ستم کا بھی تو نکلا نام خوب
صاحبِ نعمت کو نعمت کی نہیں ہوتی ہے قدر — جانتے ہیں قدرِ آزادی اسیرِ دام خوب

---

خالی نہیں فریب سے اس کی خوشامدیں — واقف نہیں رقیب کی گرگ آشتی سے آپ

---

نہ تو وعدے کا اعتبار ان کے — نہ کچھ اپنا ہی اعتبارِ حیات

---

آنکھوں میں دُرِ اشک جگر میں درم داغ — اے اہلِ محبت یہ ہے انعامِ محبت
اُلفت سے اگر تم ہو تو وہ آپ سے بہتر — بڑھ کر[1] ہے کہیں شکر سے الزامِ محبت
کیا کہوں جا کے اپنا حالِ عبث — وہ سنیں کچھ ہے یہ خیالِ عبث

---

[1] بڑھ کر کہیں شاباشی سے ۔ (رخ)

جو مقدر میں ہے وہی ہوگا — غم زر ہیچ، فکرِ مال عبث

چارہ گر دردِ لا دوا ہے عشق — روز کی ہے یہ دیکھ بھال عبث

---

پچھتائے گا تو اے بتِ طناز میرے بعد — کوئی اٹھائے گا نہ تیرے ناز میرے بعد

---

خواب میں آتے بھی ڈرتے ہیں وہ آئیں کیونکر — بختِ خوابیدہ کو ہم اپنے جگائیں کیونکر

---

بس اک تیرا خیال ہے بیمار کو تیرے — اس کو دوا کی فکر نہ اس کو دعا کی فکر

دل چاہیئے غنی کہ دو عالم سے ہو غنی — اے بوالہوس عبث ہے تجھے کیمیا کی فکر

---

بیداد فراموش، ہر افتاد فراموش — ہوتی نہیں بس ایک تیری یاد فراموش

اس مرغِ گرفتار کی پھر کون خبر لے — رکھ کر جو قفس میں کرے صیاد فراموش

محشر میں بھی کچھ دادرسی میں نے نہ چاہی — دیکھا جو اسے ہو گئی فریاد فراموش

---

ہو ہوس کو سیم و زر کی تلاش — مجھ کو ہے ایک سیم بر کی تلاش

---

دلبر کی تلاش مجھے دل سے کیا غرض — محمل نشیں سے کام ہے محمل سے کیا غرض

---

# رباعیات خیال ۱۳۲۵ھ

اے سیّدِ دوسرا شہِ جن و ملک
معراج ہوئی آپ کو بالائے فلک
فخرِ رُسل آپ، آپ ہی سرورِ کُل
انا واللہ ما راینا مثلک[1]

---

دنیا سے کام ہے نہ عقبیٰ سے کام
جنّت سے کچھ غرض نہ طوبیٰ سے کام
میں ہوں مملوک اور مولیٰ ہیں علی رضی اللہ عنہ
مملوک کو ہے رضائے مولیٰ سے کام

---

بیجا یہ تردّد ہے عبث رونا ہے
فکرِ دنیا میں جان دل کھونا ہے
اس فکر تردّد سے نہ ہوگا کچھ بھی
قسمت میں جو ہونا ہے وہی ہونا ہے

---

مشکل ہے ہجومِ غم میں اپنا جینا
ان تیروں سے ہوگیا ہے چھلنی سینا
غم کھاتے ہیں اور پیتے ہیں خونِ جگر
اپنا ہے یہی خیال کھانا پینا

---

آپس میں ملاپ کب نظر آتا ہیں
اپنا بیگانہ اب نظر آتا ہے
اس سے اُس کو عناد اُس سے اُس کو
ہنگامہ یہ کچھ عجیب نظر آتا ہے

---

اپنوں نے ہمیں ہائے، نہ مانا اپنا
غیروں نے مگر خیال جانا اپنا

---

[1] ترجمہ۔ قسم خدا کی ہم نے آپ کی مثل نہیں دیکھا (ف)

برتی نہ یگانگی یگانوں نے کبھی — پایا بیگانوں کو یگانا اپنا

---

اک زخم بغل میں ہو گیا تھا فی الحال — جس سے تکلیف تھی شب و روز کمال
نشتر نے دیا مواد فاسد کو نکال — اللہ کے فضل سے اب اچھا ہے خیال

---

دن رات خیالؔ اشکباری کیوں ہے — جب عشق[1] نہیں تو آہ و زاری کیوں ہے
کچھ درد نہیں تو یہ تڑپ ہے کیسی — کچھ سوز نہیں تو بے قراری کیوں ہے

---

کیوں مشق ستم میں تجھے اندیشہ ہے — عاشق ہوں میں وفا مرا پیشہ ہے
لے وار لگا میری بھی حسرت نکلے — مشتاق دم تیغ رگ و ریشہ ہے

---

کل ناصح گمرہ نظر آیا سر راہ — کہنے لگا ترک عشق کر ہے یہ گناہ
میں اور خیالؔ عشق بازی کا ترک — لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلّا بِاللّٰہ

---

ہر وقت خیال یار رہتا ہے خیالؔ — کب دل کو ملال یار رہتا ہے خیالؔ
ملتے ہیں تصور میں حضوری کے لطف — دن رات وصال یار رہتا ہے خیالؔ

---

ہو میل پڑوسیوں میں وہ دن نہ رہے — ہر روز لڑائیاں ہیں ہر شب جھگڑے
دیکھا ہمسایوں میں کچھ ایسا برتاؤ — اب ڈرتے ہیں ہمسایے سے ہمسایے

---

[1] عاشق نہیں تم (خ)

غمزہ بھی قیامت ہے غضب ناز بھی ہے
ساحر بھی تری آنکھ فسوں ساز بھی ہے
میرا دل مردہ تو جِلایا نہ گیا
کیوں کر باتوں کے لب میں اعجاز بھی ہے

---

کیا نغمہ جاں سوز ہے اللہ اللہ
کیا حسن دل افروز ہے اللہ اللہ
سینے کے ہوئی پار نوکیلی مژگاں
کیا ناوکِ دلدوز ہے اللہ اللہ

---

انسان کو مصیبت میں ڈبو دیتے ہیں
آسائش و آرام کو کھو دیتے ہیں
پلکوں کی جھپک دکھا دکھا کر یہ حسیں
نشتر دل میں چبھو چبھو دیتے ہیں

---

کیا سحر حسینوں کی نگاہوں میں ہے
کیا دخل انہیں تسخیر کی راہوں میں ہے
ان میں جو مطیع کرنے کی ہے قدرت
درویشوں میں ہے نہ بادشاہوں میں ہے

---

## دیگر

بت جلوہ رخ جس کو دکھا دیتے ہیں
کلمہ اپنا ہی بس پڑھا دیتے ہیں
ایمان کو بھی چھین لیتے ہیں دین کو بھی
کافر یہ مسلمان کو بنا دیتے ہیں

---

اک روز نہ ان کو شاد ہوتے دیکھا
اک شب نہ اسے چین سے سوتے دیکھا
کیوں یہ حالت ہے یا الٰہی اس کی
جب دیکھا خیال کو تو روتے دیکھا

---

دا۔ قاتل داغ سے دل لے کر داغ

بیتابیٔ دل ہجر میں جاتی ہی نہیں
تسکین طبیعت مری پاتی ہی نہیں
اب خواب میں ملنے کی بھی امید گئی
بیخواب ہیں آنکھیں نیند آتی ہی نہیں

---

آنکھوں سے نیند جب اچٹ جاتی ہے
دل کی وحشت عجب غضب ڈھاتی ہے
فرقت کی مصیبت کو مٹانے کے لئے
بچھڑے ہوئے معشوق کی یاد آتی ہے

---

فرقت میں گریہ بار بار آتا ہے
کب دل کو مرے صبر و قرار آتا ہے
تسکین ہی کیا اس کی ذرا سا دل ہے
کہہ دے کوئی جھوٹ ہی کہ یار آتا ہے

---

بھیجا مجھے آج میرے محبوب نے پھول
پاکر یہ پھول کیوں نہ میں جاؤں پھول
جیسا اسے دیکھ کر ہوا دل میں سرور
ہوگا نہ کبھی پلائیں حوریں بھی جو پھول

---

## مرثیہ مصیبت زائے ۱۳۱۵ھ

(بر وفات حسرت آیات آنریبل جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سید احمد خاں
بہادر کے سی ایس ای ایل-ایل ڈی طاب ثراہ بانیٔ مدرسۃ العلوم علی گڈھ)

ہیں وہی اب بھی تو مہر و مہ زمین و آسماں
پھر نظر آتا ہے کیوں تاریک اب ہندوستاں[1]
کل تک ایسا تو نہ تھا کیسا یہ سناٹا ہے آج
ہر در و دیوار پر چھایا ہے وحشت کا سماں
اس چمن پر یک بیک کیوں یہ اداسی چھا گئی
یہ ہوا کیسی چلی اس بوستاں میں ناگہاں

---

[1] پھر نظر آنے لگا تاریک کیوں (نسخ)

جس کے دل کو دیکھو ہے اک غنچہ مرجھایا ہوا
ہو نہیں سکتی چھپائے سے بھی دلگیری نہاں

وہ امنگیں کیا ہوئیں اب ہمتیں کیوں پست ہیں
دل شکستہ کیوں نظر آتے ہیں ابنائے زماں

قوم کے وہ ولولے یکبارگی کیا ہو گئے
قوم میں باقی نہیں اگلا سا اب تاب و توان

فوج کی ہوتی ہے حالت جو کہ بے سالارِ فوج
قوم کی حالت وہی ہم دیکھتے ہیں اب یہاں

صافؔ کہتی ہے یہی یہ حالتِ اندوہگیں
سید احمد خاں نے کی رحلت سوئے خلدِ بریں

خوبیاں سید کی عالم میں نہیں کچھ مستتر
مثل مہر نیم روز آفاق میں ہیں جلوہ گر

ہند کی بہبودیوں میں رات دن سرگرم تھا
ملک کا ہمدرد تھا وہ قوم کا تھا راہبر

انڈیا اور انڈین مرہونِ احساں اس کے ہیں
گاڑھے وقتوں میں وہ کام آیا کیا دل کھول کر

جن دنوں ہندوستاں میں آگ تھی گویا لگی
دل تھا ہر انسان کا منزلگہِ خوف و خطر

کشت و خوں کا جن دنوں بازار ہر سو گرم تھا
حاکم و محکوم میں بگڑی ہوئی تھی، الحذر

قوم کی سید نے کیں کیا کیا نمایاں خدمتیں
کس طرح اس کو بچایا اور لایا راہ پر

کر دیئے دل صاف اس کی خوبیِ تدبیر نے
حاکم و محکوم دونوں ہو گئے شیر و شکر

کون اب ہمدردِ قوم ایسا ہے ہندستان میں
اس طرح کا کوئی جوہر ہی نہیں اس کان میں

اب کہاں ہم میں کوئی ایسا مقرر لیکچرر
بانگِ تن کی نظم کا ہو نطق میں جس کے اثر

سحر تھا افسوں تھا یارب یا وہ سید کا بیاں
سامعیں کے دل میں فوراً ہی جو کر لیتا تھا گھر

کونسل میں جبکہ ہوتا تھا وہ سرگرمِ سخن
رائے اس[۱] کی غالب آ جاتی تھی ہر اک رائے پر

جب کسی مضمون علمی کا وہ کرتا تھا بیاں
دنگ ہو جاتے تھے اکثر[۲] بیچلر اور ماسٹر

---

[۱] کاتی اہل رائے کے رہتے تھے اس کی رائے پر (خ) [۲] سارے (خ)

جب کبھی جس راہ میں ہوتا تھا سرگرم شتاب — عقل اس کی رہ نما تھی رائے اس کی تھی خضر

ذات اس کی جامع تدبیر و عقل و رائے تھی — بات اُسکی حاوی فضل و کمالات و ہنر

کس سے نسبت دیجئے شیرینیٔ تقریر کی — اس حلاوت اس لطافت کو نہیں پاتی شکر

باتیں حکمت پر تھیں مبنی اس حکیم وقت کی
اسکی باتیں ہم نہ بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی

متفق اس بات پر ہے ذرّہ ذرّہ ہند کا — قوم رہ گُم کردہ کا اپنی وہی تھا رہنما

کی مسیحائی جو اس نے ملک کی تعلیم میں — کچھ وہ پوشیدہ نہیں ظاہر ہے سب پر برملا

کول[1] میں وہ مدرسہ اس نے بنایا جہل سوز — جہل کا جس سے خس و خاشاک اکثر جل گیا

جہل کی بیماریوں کا ہے وہیں ہوتا علاج — قوم کی رنجوریوں کا ہے وہی دارالشفا

کچھ نہ کچھ یوں تو پڑھائی ہوتی ہے ہر شہر میں — ق — مدرسے ہندوستان میں کھُل گئے ہیں جابجا

ملتی ہیں بی اے ایم اے کی سینکڑوں ہی ڈگریاں — کورس کو رٹ رٹ کے پاس ہو جاتے ہیں اہل ہوا

یہ خصوصیّت علی گڑھ ہی کو دی اللہ نے — سیکھتے ہیں ہم جہاں جاکر سبق اخلاق کا

جس میں ہو ہمدردی[2] انساں وہی انسان ہے
آدمیّت کا برتنا آدمی کی شان ہے

تجھ پر اے سیّد ہزاروں رحمتیں اللہ کی — عمر بھر کی تو نے اپنی قوم ہی کی بندگی

ہیں بہت کم دہر میں اس طرح کے ملت پرست — قوم کی اصلاح کو سمجھیں اصولِ زندگی

"قدرِ مردم بعد مردن" یہ مثل مشہور ہے — قدر تیری زندگی میں بھی مگر کچھ کم نہ تھی

ایک جماعت گو بُرا تجھ کو بھی کہتی تھی مگر — ہوتی آئی ہے یہی دنیا میں ہوتا ہے یہی

جب کوئی مصلح کھڑا ہوتا ہے آکر قوم میں — باندھ لیتے ہیں کمر اس کی خصومت پر سبھی

---

[1] علی گڑھ کا قدیم نام (ف) [2] ہو نہ جس انسان میں اخلاق وہ حیوان ہے (خ)

کچھ نئی تکفیر تیری ہی نہیں اسلام میں | بارہا[1] تکفیر غزالی و رازی کی ہوئی
دشمنوں نے جس قدر توہین کا ساماں کیا | اتنی ہی دنیا میں تیری عزت بڑھتی گئی

تو ہی کہہ اب کس قدر حسن عقیدت تجھ سے[2] ہے
ابتدا میں کیا تھا اب کیسی ارادت تجھ سے[3] ہے

---

## تاریخ انتقال جہاں استاد دبیر الدولہ
## بلبلِ ہندستان نواب فصیح الملک ناظم
## یار جنگ نواب مرزا خاں داغؔ مرحوم

دنیا سے ہائے چل بسے حضرت داغؔ | اس غم سے وقت نہیں دل کو فراغ
تاریخ خیالؔ نے کہی حسرت خیز | "اللہ کبھی دل سے نہ جائے گا یہ داغ"

۱۳۲۲ھ

---

## تاریخ طبع دیوان تاج سخن، مصنفہ جلیل القدر حافظ
## سید جلیل حسن صاحب جلیلؔ مانکپوری

چھپ رہا ہے آج کل تاج سخن | سر پہ سب رکھیں یہ ایسا ہے کلام
ہے جلیلؔ خوشنوا یکتائے فن | یہ اسی یکتا کا یکتا ہے کلام

---

[1] پہلے بھی، پیشتر [2] سے [3] اصل تجھے (ف)

پر اثر ہیں جس قدر اشعار ہیں
رنگ میں ڈوبا ہے جتنا ہے کلام

اب مزے لوٹیں گے اربابِ مذاق
شہد سے بڑھ کر یہ میٹھا ہے کلام

کس حلاوت کی ہے یہ تاریخ بھی
"شاعرِ شیریں بیاں کا ہے کلام"

۱۳۲۸ ھجری

واہ کس شان کا دیوان نکلا
حُسن میں رشکِ مہِ تاباں ہے

جس نے دیکھا اسے وہ بول اٹھا
جسقدر وصف کروں شایاں ہے

خوبیٔ طرز پہ ہے جاں نثار
شوخیٔ رنگ پہ دل قرباں ہے

مصرعِ سال بھی ہے شوخ خیال
"شاہدِ شوخ ہے یا دیواں ہے"

۱۳۲۸ ھجری

---

## تاریخ انتقال حضرت والد ماجد

# حکیم محمد ہادی حسن خاں نایابؔ

## طاب ثراہ

جمعے کو سوم رجب کی تھی دادیلا
ظلِ پدری جو اپنے سر سے اٹھا

سالِ رحلت کا جب ہوا مجکو خیال
ہاتف نے خیالؔ "داخل الخلد" کہا

۱۳۰۰ ھجری

## تاریخ ترتیب دیوان نایابؔ

بے عدیل و بے بدل دیوان ہے
کیا کسی سے ہو سکے اس کا جواب

سال اگر ترتیب کا چاہو خیالؔ
"بے کلام بے نظیر و لاجواب"

۱۳۱۴ ھجری

# تاریخ تالیف سوانحعمری

## حضرت مخدوم الملک رحمۃ اللہ علیہ

شرف الدین احمد یحییٰ — عارف پاک خاص رب قدیر
سرور اولیاء جہاں مخدوم — مرجع حاجت جوان و پیر
ایک روشن ضمیر نے لکھا — حال اُن کا بشرح و بسط کثیر
واہ کیا فیض بخش ہے یہ کتاب — فیض لیں اس سے ہر صغیر و کبیر
قابلِ شکر ہیں ضمیر الدین — لائق آفریں ہے یہ تحریر
کیمیا ہے یہ عارفوں کے لئے — طالبِ حق کے واسطے اکسیر
اس کے پڑھنے سے دل منور ہو — اس کی تاریخ ہے "سراج ضمیر"

۱۳۱۴ھ

---